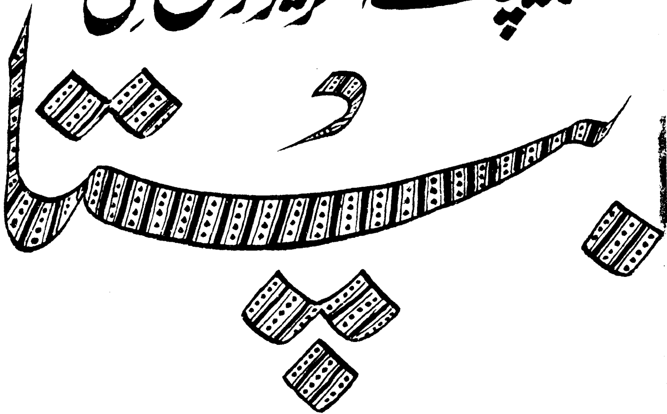
هو الکل

غدرِ دہلی کے افسانوں کا دوسرا حصہ

بیچارے انگریزوں کی



ازحضرت خواجہ حسن نظامی مصورِ فطرت دہلوی

مارچ ۱۹۲۷ء میں

پانچویں بار

ابنِ عربی کارکن حلقۂ مشائخ دہلی نے شائع کی

طبع پنجم ۲ ہزار   مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی (جری)   قیمت ۹؍

1352

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی مدظلہ کی تصانیف

غدر دہلی کے افسانوں کا پہلا حصہ "بیگمات کے آنسو" یہ وہ مشہور کتاب ہے جس کو خواجہ صاحب کی تصنیفات میں ماسٹر پیس یا اعلیٰ درجہ کی تصنیف کہا جاتا ہے۔ ایک سو بہتر صفحہ کی کتاب ہے۔ لکھائی صاف ہے کاغذ اور چھپائی اعلیٰ درجہ کی، ٹائٹل یعنی سرورق نہایت خوبصورت اور رنگین ہے یعنی کئی رنگ میں چھاپا گیا ہے۔ سات دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس میں ۲۴ افسانے ہیں۔ **قیمت ۸؍**

غدر دہلی کے افسانوں کا تیسرا حصہ "محاصرۂ دہلی کے خطوط" اس میں ان خطوط کا ترجمہ شائع ہوا ہے جو انگریزی فوج کے افسروں نے دہلی کے محاصرہ کے وقت پنجاب کے انگریز افسروں کو بھیجے تھے۔ ان خطوط میں بعض نہایت دلچسپ اور مخفی اور تاریخی مراسلات بھی ہیں۔ ضخامت ۳۲ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا۔ کل تیرہ مراسلے اسکے اندر ہیں۔ از حضرت خواجہ صاحب۔ **قیمت چار آنے (۴؍)**

غدر دہلی کے افسانوں کا چوتھا حصہ "بہادر شاہ کا مقدمہ" یہ دو سو اسی صفحے کی کتاب ہے۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے اور کاغذ بھی اچھا ہے۔ یہ غدر دہلی کے حالات میں نہایت دردناک کتاب ہے۔ اس میں اُس مشہور مقدمہ کا حال ہے جو مغلوں کے آخری شہنشاہ ابوظفر بہادر شاہ پر بالزام بغاوت چلایا گیا تھا اور جسکی پیشیاں مدت تک ہوتی رہیں، ہندو مسلمانوں کی گواہیاں ہوئیں خود بہادر شاہ کا بیان ہوا، اور دورانِ مقدمہ میں ایسے عجیب و غریب خفیہ راز منکشف ہوئے جنکا حال کسی کو معلوم نہیں تھا۔ غرض یہ کتاب شروع سے آخر تک واقعات کا تاریخی حسرتناک مرقع ہے اور اس واسطے ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہے۔ **قیمت دو روپیے (عہ؍)**

ملنے کا پتہ:۔ **کارکن حلقۂ مشائخ بک ڈپو۔ دہلی**

۷۸۶ ھو الکل یا معین

غدر دہلی کے افسانے

حصۂ دوم

انگریزوں کی بپتا

غدر ہونے سے تقریباً ایک مہینہ پہلے یکم اپریل ۱۸۵۷ء کو ایک اشتہار اس مضمون کا جامع مسجد دہلی میں چسپاں کرا گیا تھا کہ ۱۱ مئی کو دہلی لوٹی جائیگی اور بڑا کشت و خون ہوگا۔ مگر اس وقت حکام نے اس طرف کچھ توجہ نہیں کی اور معمولی بات سمجھکر ہنسی میں ٹال دیا گیا۔ شمالی و مغربی اضلاع کے اخبارات نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ عام لوگ بھی بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ رہے۔ یہاں تک کہ ۱۱ مئی کا وہ خوفناک دن آگیا۔ اور میرٹھ کے مفسدین کا ایک گروہ صبح کے وقت، بجے کشتیوں سے دریا کو عبور کرکے شہر میں داخل ہو گیا۔ ان مفسدہ پردازوں میں کچھ تیرے سوار اور کچھ ۲۰ اور ۱۱ ہندوستانی رجمنٹ کے پیدل شریک تھے۔

سب سے پہلے ان مفسدین نے گھاٹ کے ٹھیکیدار کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد پل کے ذریعہ شہر میں گھس پڑے اور پل ہی پر ایک فرنگی کو جو راستے میں ان کو نظر آ گیا تھا مار ڈالا۔ دریا عبور کرنے کے بعد ملاحوں نے پل توڑ دیا۔ سوار گھوڑوں پر پار ہو کر دہلی دروازے کے راستہ سے انگوری باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ باغ قلعہ کے نیچے تھا اور یہاں بڑے صاحب یعنی ریزیڈنٹ رہتے تھے۔ یہ سوار اس غرض سے وہاں گئے تھے کہ ان کو قتل کر ڈالیں۔ اس عرصہ میں کوتوال کو خبر ہوگئی وہ بھاگتا ہوا **مسٹر فریزر** صاحب کے پاس گیا۔ اور اُن کو اس واقعہ کی خبر دی۔ صاحب موصوف نے فوراً حکم دیا کہ دفتر کے تمام کاغذات شہر میں لیجاؤ اور خود دونالی بندوق بھر کر مفسدین کی طرف بگھی میں بیٹھکر روانہ ہوئے تاکہ اس فتنہ کو کسی طرح

دیا ہیں مگر مفسدین ان کو دیکھتے ہی ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ غریب فریزر صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو جان بچانے کی فکریں کرنے لگے۔ اور بگھی سے کود کر براہ شمن برج قلعہ کے اندر جا کر اس کے دروازے بند کر دیئے۔ اسی اثنا میں صاحب موصوف نے ایک دو بلوائیوں کو گولیوں کا نشانہ بھی بنایا۔ شمن برج سے فریزر صاحب سیدھے قلعہ کے لاہوری دروازہ پر گئے اور اس دروازہ کے دربان کو حکم دیا کہ یہ دروازہ بھی بند کر دو۔ اس کے بعد ایک مفسد نے آ کر صوبہ دار سے کہا کہ دروازہ کھول دو۔ صوبہ دار نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں میرٹھ کے رسالہ کا سوار ہوں صوبہ دار یہ سنکر تھوڑی دیر چپ رہا۔ اس کے بعد کہا اور سپاہی کہاں ہیں۔ سپاہی نے جواب دیا کہ وہ سب انگوری باغ میں ہیں۔ صوبہ دار نے یہ سنکر اس سے کہا کہ جاؤ ان سب کو بلا لاؤ۔ وہ سپاہی چلا گیا۔ جب وہ سب جمع ہو گئے تو صوبہ دار نے دروازہ کھول دیا۔ اور سارے سپاہی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ کپتان ڈگلس نے قلعہ دار اور فریزر صاحب نے صوبہ دار سے کہا کہ ایسی کھلی ہوئی دغابازی کی تم سے امید نہ تھی۔ پھر کچھ سمجھانا چاہا۔ اور صوبہ دار سے کہا کہ سپاہیوں سے کہو کہ بندوقیں بھر لیں کیونکہ قلعہ کے دروازہ پر ہمیشہ ایک گارد رہا کرتا تھا، اور وہ ان مفسدین کی روک تھام کیلئے کافی تھا۔ مگر صوبہ دار پہلے ہی برگشتہ اور فتنہ پردازوں کے ساتھ سازش میں شریک ہو چکا تھا۔ اس نے اس حکم کی بھی تعمیل نہ کی۔ بلکہ نہایت سخت کلامی سے پیش آیا اور مغلظ گالی دیکر کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ دونوں انگریزوں نے جب یہ رنگ دیکھے تو مجبوراً وہاں سے بھاگ کر قلعہ کے اندرونی حصہ کی طرف آئے۔ دونوں غریب بھاگتے ہوئے آ ہی رہے تھے کہ راستہ میں مفسدوں کے سوار مل گئے ایک نے فریزر صاحب کے اور دوسرے نے کپتان ڈگلس کے پستول سر کیا جس سے دونوں زخمی ہوئے اور دیوار کے سہارے سے کھڑے ہو گئے، اس کے بعد ایک اور مفسد آیا اور تلوار کے وار سے دونوں کے سر تن سے جدا کر دیئے۔ اس دردناک واقعہ کو

ایک صاحب نے دوسرے طریقہ سے بیان کیا ہے ان کا بیان ہے کہ جب فریزر صاحب گولی کھا کر زخمی ہوئے تو اسی حالت میں انہوں نے دو مفسدین کو ہلاک کر ڈالا۔ اور بگھی پر سوار ہو کر بھاگے۔ اگرچہ سخت زخم آیا تھا اور زخم سے خون جاری تھا مگر بگھی چلانے کی طاقت باقی تھی یا یہ کہ جان کے خوف سے ہمت اپنا کام کر رہی تھی۔ اسی عرصہ میں کہ غریب زخموں سے چور اور درد سے مجبور بھاگے چلے جا رہے تھے ایک مفسد آیا اور اس نے صاحب موصوف کے سائیس کو تلوار دیکر کہا کہ تو اس کو مار ڈال۔ وحشی سائیس نے تلوار لیکر صاحب کے ایسا ہاتھ مارا کہ صاحب موصوف کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ پھر کپتان ڈگلس کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بلوائی دیوان عام کی طرف گئے وہاں دو معصوم مسیں تھیں ان کو بھی ان سنگدلوں نے نہ چھوڑا اور بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ وہاں سے نکلکر سیدھے دریا گنج کا رخ کیا اور یہاں آکر تمام مکانوں کو آگ لگا دی۔ یہ مکانات زیادہ تر انگریزوں کے تھے اس عرصہ میں ایک اور رجمنٹ مفسدوں کی شہر میں گھس آئی اور آتے ہی شہر کے پچوں اور شہدوں سے کہا کہ تم لوگ شہر کو خوب لوٹو ہمیں اس سامان غنیمت میں ہاتھ لگانا حرام ہے۔ جو بلوائی دریا گنج کو جلا رہے تھے انہوں نے وہاں پانچ انگریزوں اور دو میموں کو اور مار ڈالا۔ باقی جس قدر عیسائی تھے وہ سب راجہ کشن گڈھ کی کوٹھی میں جا کر پناہ گیر ہوئے۔ جب دریا گنج جل کر بالکل خاک سیاہ ہو گیا تو وہاں سے مفسد بینک کی کوٹھی پر گئے۔ اس کو بھی آگ لگا کر جلا ڈالا، اور پانچ فرنگیوں کو جان سے ہلاک کر دیا۔ پھر وہاں سے کوتوالی گئے اور بدمعاشوں سے کہدیا کہ شہر کو لوٹو۔ کوتوال خوف زدہ ہو کر کوتوالی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور کوئی تدبیر غریب غربا کے بچانے کی نہ کی۔ کوتوالی سے سکنر صاحب مرحوم کی کوٹھی پر پہنچے مگر اسکو آگ نہیں لگائی۔ لیکن وہاں گرجا اور گرجا کے قرب وجوار میں جس قدر مکانات تھے سب میں آگ لگا دی اور جلا کر خاک کا ڈھیر کر دیا۔ اور جس قدر میمیں اور فرنگی تھے سب کو مع ننھے ننھے بچوں کے قتل کر ڈالا اس کے بعد انہی مفسدوں میں سے پانچ سوار چھاؤنی پہنچے ان کے پہنچتے ہی وہاں جس قدر

سپاہی تھے اُنہوں نے اپنے افسروں کے بنگلوں کو جلانا شروع کر دیا۔ اور جو فرنگی نظر آیا فوراً نہایت بے رحمی و بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ باقی سوار میگزین کی طرف گئے۔ مگر قریب پہنچے ہی تھے کہ جس قدر سپاہی تھے وہ سب اور تقریباً ایک ہزار شہری آدمی میگزین کے پھٹنے سے اُڑ گئے۔ خدا معلوم میگزین میں کیونکر آگ لگ گئی۔

اب یہاں چھاؤنی میں جس قدر سپاہ تھی دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ دو رجمنٹیں تو مفسدوں کے ساتھ ملکر شہر کو لوٹنے میں مصروف ہو گئیں۔ اور دو رجمنٹیں لال ڈگی کے قریب قلعہ کے سامنے ٹھہریں ان میں سے ایک گارد راجہ کشن گڈھ کی کوٹھی پر گیا۔ کیونکہ اس نے انگریزوں کو پناہ دی تھی۔ چنانچہ اس کوٹھی میں بتیس تن مرد اور کچھ بچے پناہ گزین تھے۔ اس گارد نے وہاں پہنچکر کوٹھی میں آگ لگا دی جو ایک رات دن برابر جلتی رہی۔ دوسرے روز یہ مفسدین میگزین میں سے دو توپیں اُٹھا لائے اور تمام دن اس پر گولہ باری کرتے رہے لیکن چونکہ تمام انگریز جو پناہ گزیں تھے تہ خانہ میں چلے گئے تھے۔ اسلیئے سب کے سب محفوظ رہے اور بچ گئے۔ اور کسی قسم کا اُن کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے بعد مفسدوں نے تمام شہر کو لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سکتر صاحب کی کوٹھی کو بھی شہر کے بدمعاشوں نے خوب لوٹا، حالانکہ میرٹھ کے مفسدین نے اس کو اب تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

۱۳ رتاریخ کو مفسدوں نے پھر دوبارہ ان انگریزوں پر حملہ کیا جو راجہ کشن گڈھ کی کوٹھی میں چھپے ہوئے تھے لیکن اس دن انگریزوں نے بھی کوٹھی کے اندر سے گولیاں چلائیں اور چند مفسدین کو ہلاک کر ڈالا۔ مگر جب غریبوں کے پاس گولی باروت نہ رہی تو سوائے چار انگریزوں کے سب باہر نکل آئے اور لڑتے رہے۔ اس عرصہ میں ولیعہد شاہی بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور مفسدوں نے کہا کہ ان انگریزوں کو ہمیں دیدو۔ ہم ان کو حراست اور نگہبانی میں محفوظ رکھیں گے۔ مگر ان مفسدوں نے ایک نہ سُنی اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔

مسٹر جارج سکتر صاحب اپنے بال بچوں سمیت قلعہ میں پناہ گیر تھے جا سوسوں نے

خبر دی کہ وہاں چھپے ہوئے ہیں، مفسد انہیں قلعہ سے کوتوالی میں پکڑ لائے اور یہاں انہیں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ اور شفاخانہ کے ہندوستانی اور انگریز ڈاکٹروں کو شفاخانہ اور جیلخانہ کے اندر ہلاک کیا۔ ان بیچاروں کی تین روز تک لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں۔ آخر چوتھے روز خود مفسدوں نے ان کو دریا میں پھنکوا دیا۔

مفسدوں کا بادشاہ سے تنخواہ کا مطالبہ

اب مفسدوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ یا تو دو مہینے کی تنخواہ دو ورنہ ہمارا روزینہ مقرر کر دو یعنی رسد وغیرہ روزانہ دلوا دیا کرو۔ بادشاہ نے شہر کے سب مہاجنوں کو بلا کر حکم دیا کہ گروہ سپاہ کی درخواست پوری نہ کرو گے تو سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ غریب بادشاہ چونکہ نجوبی اپنے عام شہر کی بربادی اور قتل عام کو بچانے کی خاطر مہاجنوں کو یہ حکم دیا ہوگا مہاجنوں نے بادشاہ کی حضور میں عرض کیا کہ ہم ان کو بیس روز تک صرف دال روٹی کھلا سکتے ہیں اس سے زیادہ ہم میں مقدور نہیں مگر مفسدین اس پر راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے ہم تو مارنے مرنے پر کمر باندھے بیٹھے ہیں، چند روز جو زندگی کے باقی ہیں ان میں بھی دال روٹی کھائیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ بادشاہ نے یہ سب باتیں سنکر چار آنے یومیہ مقرر فرما دیئے۔

اسکے بعد مفسدین نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اور ہر دروازہ پر دو دو توپیں چڑھا دیں اور ایک ہزار من بارود چھاؤنی کی میگزین سے اٹھا لائے اور جس قدر گولہ بارود میگزین میں موجود تھا اس پر قبضہ کر لیا۔ اس شور و شر اور فتنہ و فساد کی وجہ سے شہر میں سد آمد بند ہوگئی اور تمام چیزیں گراں ہوگئیں۔

آٹا ۳ سیر گیہوں آٹھ سیر اور گھی ڈیڑھ سیر کا بکنے لگا۔ علی ہذا القیاس تمام چیزیں مہنگی ہوگئیں دہلی کے گرد و نواح کے جس قدر دیہاتی تھے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ بادشاہ نے رفع فساد کی غرض سے گوجروں کے چار پانچ گاؤں کو جلوا دیا۔ مگر یہ آگ فرو نہ ہوئی سکتر صاحب

کی یہ کوٹھی بلاسپور میں تھی وہ بھی لوٹ کی نذر ہو گئی۔

فسادیوں نے جب دہلی کو اچھی طرح لوٹ لیا تو دو سو سوار گوڑ گانوہ کی طرف گئے اور وہاں بھی فتنہ و فساد لوٹ کھسوٹ اور آتش زنی کا بازار گرم کر دیا اور سرکاری خزانہ کو جس میں ۷ لاکھ ۸۴ ہزار روپیہ تھا لوٹ کر دہلی واپس آ گئے۔ اس وقت مفسدین کے پاس دہلی گوڑ گانوہ کے خزانوں کا ۱۲ لاکھ ۸۴ ہزار روپیہ نقد موجود تھا جو قلعۂ شاہی اور مفسد سپاہ کی حراست میں رکھا گیا۔

اس وقت دہلی میں تین رجمنٹیں موجود تھیں۔ ایک تو میرٹھ کی اور دو خاص دہلی کے نیزہ سوار بھی موجود تھے باقی فسادی سپاہیوں کی فوج علی گڑھ اور آگرہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہر میں سب سے بڑا متمول تاجر لچھمن چند تھا۔ مگر صرف اسی کی کوٹھی لوٹ و غارت سے بچی ہوئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ روزانہ مفسدین کی دعوتیں کیا کرتا تھا۔

آپ بیتی کا پہلا فسانہ

ہندوستانی پیادوں کی اڑتیسویں رجمنٹ کا ایک افسر اپنی مصیبت کا حال اسطرح بیان کرتا ہے کہ ۱۱ تاریخ کو قریب ساڑھے دس بجے صبح کے میرا نوکر بھاگتا ہوا میرے کمرہ میں آیا اور نہایت گھبراہٹ سے کہنے لگا کہ شہر میں بہت کھلبلی مچ رہی ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ میرٹھ کی تمام ہندوستانی سپاہ دہلی پر قبضہ کرنے کے واسطے بڑھی چلی آ رہی ہے۔ سب سے پہلے خیر فساد کی جو میں نے سُنی وہ یہی تھی۔ چونکہ میرا بنگلہ چھاونی ہی میں تھا۔ اس لئے میں یہ خبر سنتے ہی انسائن کمپیر صاحب اجیٹن ۳۸ رجمنٹ ہندوستانی کے بنگلہ کی طرف پیدل چل دیا وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ کمانڈنگ افسر اور کرنیل نیوٹ صاحب دونوں موجود ہیں انھوں نے بھی میری خبر کی تصدیق کی اور کہا کہ ہندوستانی پیادوں کی ایک رجمنٹ نمبر ۵۴ مع توپوں کے شہر میں بھیجی گئی ہے۔ اور دو کمپنیاں نمبری ۳۸ و ۷۴ رجمنٹ کی پہاڑی پر جو شہر اور چھاؤنی کے درمیان واقع ہے قیام کرینگی بقیہ سپاہی ان رجمنٹوں کے کسی دوسری جگہ نہ بھیجے جائیں گے

لیکن اپنی چھاؤنی میں ہر وقت مسلح اور مستعد رہنا چاہیئے جب میں کمانڈنگ افسر کے بنگلہ
سے واپس ہوا تو راستہ میں مجکو نکول صاحب ملے مگران سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ
میرٹھ کے مفسد سواروں میں قریب ڈیڑھ سو سواروں نے کشتیوں کے پل پر قبضہ کرلیا ہے اور
میرٹھ سے آتے ہوئے جو انگریز ان کو ملا اُسکو قتل کر ڈالا۔

جب میں اپنے بنگلہ پر پہنچ گیا تو تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں توپیں میرے بنگلہ
کے برابر سے شہر کی طرف جاتی ہوئی نظر آئیں تو مجھے اطمینان ہوا کہ فسادیوں کے شر و فساد کو روکنے
اور رفع کرنے کے لیئے رجمنٹ نمبر ۵۴ اور یہ دونوں توپیں کافی ہوں گی اور اس کے بعد جو
واقعات ظاہر ہوئے ان کا تو مجھے شان گمان بھی نہ تھا لیکن میں نے بہ نظر احتیاط اپنا
پانچ فیری طمنچہ بھر لیا اور حکم دیا کہ گاڑی کے گھوڑے تیار رکھو۔

دوپہر کے ۱۲ بجے کے قریب میرے نوکروں نے مجکو خبر دی کہ دریا گنج کی چھاؤنی جل
رہی ہے اور میری رجمنٹ کے صاحب اجیٹن اور کمانڈنگ افسر چھاؤنی کی طرف گئے ہیں۔
یہ خبر سنکر میں بھی سوار ہو کر گیا اور دیکھا کہ سپاہیوں کو سامان جنگ تقسیم ہو رہا ہے وہاں سے میں اپنی
کمپنی میں گیا اور سپاہیوں سے گفتگو کرنے لگا۔ وہ سب بظاہر نیک چلن معلوم ہوتے تھے۔ اور
اس فساد سے سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ بلکہ بہت سے سپاہی کمربندی سے ناخوش معلوم ہوتے تھے
اور کہتے تھے کہ ہم ابھی شہر کی ہفت روزہ تعیناتی سے واپس آئے ہیں ابھی اچھی طرح روٹی
پانی سے بھی فارغ نہیں ہوئے کہ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کے جواب میں میں نے ان سے کہا
کہ غالباً تھوڑے عرصہ میں یہ فساد فرو ہو جائیگا پھر آرام کرنا۔ کیونکہ ایک رجمنٹ اور دو
توپیں فسادیوں کے منتشر کردینے کے لیئے روانہ کی جاچکی ہیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مجھے یقین
ہے کہ اگر ضرورت پڑیگی تو تم سب لڑو گے اور نمک کا حق ادا کرو گے جسکے جواب میں سپاہیوں نے کہا کہ ہمنے
سرکار کمپنی کا نمک کھایا ہے اور ہم ہر طرح پر لڑنے مرنے کے لیئے آمادہ ہیں۔ ان میں سے ایک
حوالدار زیادہ شور و غل مچا رہا تھا۔ مگر بنظر احتیاط صاف صاف یہ نہیں کہتا تھا کہ ہم مفسدوں سے

نہ لڑیں گے بلکہ یہ کہتا تھا کہ اگر کوئی غنیم راجہ یا بوآویگا تو اس سے لڑیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کمپنیاں جنکا ذکر اوپر آچکا ہے پہاڑی کی طرف روانہ ہوئیں کہ وہاں جاکر قیام کریں روانگی کے وقت دونوں کمپنیوں کے سپاہیوں نے بہت شور وغل مچایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو بہت خوشی ہے۔ ان کی کسی حرکت سے یہ شبہ نہ ہوتا تھا کہ وہ مفسدانہ خیال رکھتے ہیں میں سپاہیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ خبر پہنچی کہ رجمنٹ نمبری ۵۴ نے شہر میں داخل ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کردیا اور اپنے افسروں کو رسالہ سوم کے سواروں سے کٹوا دیا۔ اور ذرا بھی سپاہ مفسد نے مقابلہ نہ کیا جب نوبت یہاں تک پہنچی اور معاملہ اس قدر نازک ہوگیا تو سپاہ کو آراستگی وغیرہ کا حکم دیا گیا۔ کارتوس تقسیم کیے گئے باجے والوں کو بھی بندوقیں اور لڑائی کا سامان دیا گیا۔ سب نے حکم کی تعمیل کی اور بندوقیں بھر کر لڑائی کیلیئے تیار ہوئے۔ یہاں یہ ہو ہی رہا تھا کہ نمبر ۵۴ رجمنٹ کے کرنیل رپلی ڈولی میں آئے، زخموں سے ان کا بدن لہولہان ہو رہا تھا میں نے خود اپنے کانوں سے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجکو خود میرے ہی سپاہیوں نے سنگینیں ماری ہیں اسکے بعد فوجی ڈاکٹر صاحب کی زبانی جو کیفیت معلوم ہوئی وہ اور زیادہ غم افزا اور دردناک تھی انہوں نے سپاہیوں کی غداری اور اپنے افسروں کے قتل و خونریزی کا حال سنایا جس سے معلوم ہوگیا کہ رجمنٹ نمبر ۵۴ مفسدوں کیساتھ شامل ہوگئی جب حالت اس قدر اندیشہ ناک ہوگئی تو افسروں کے باہم مشورہ سے یہ طے پایا کہ جس قدر توپیں اور فوج باقی ہے وہ سب پہاڑی کے اوپر جاکر قیام کریں البتہ نمبر ۷۴ کی رجمنٹ کشمیری دروازہ بھیجی گئی تاکہ وہاں پر جو گارد ہے اسکی امداد کرے باقی کل فوج پہاڑی کے برج پر جاکر مقیم ہوئی اور دونوں توپیں اس طرح لگائیں کہ ان کی زد اس راستہ پر پڑتی تھی جو شہر کو جاتا تھا ۳۸ رجمنٹ کے جو باقیماندہ سپاہی تھے وہ برج مذکورہ کے سیدھے ہاتھ کی طرف جمع کردیے گئے جس قدر فرنگی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تھے سب آکر برج کے اندر جمع ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد بہت سے شہر کے باشندے بھی آگئے۔ اب ہر طرف ان انگریزوں کی جو شہر میں رہتے تھے قتل عام کی خبریں آنے لگیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس قدر فوج میگزین نیز دوسرے مقامات پر متعین تھی سب نے سرکار کے کام سے انکار کردیا یعنی لڑنے سے منھ موڑ لیا۔

جب فوج کی غداری اور بغاوت کا یقین ہو گیا اور ہر طرف شر فساد اور قتلِ عام کا بازار گرم ہونے لگا تو صاحب برگیڈیر نے شتر سوار کے ذریعہ میرٹھ کے حکام کو چٹھی لکھی۔ اور قریب ۷ بجے حکم دیا کہ بذریعہ تار اس فساد کی خبر انبالہ بھیجی جائے اسکے بعد افسر مذکور نے تمام سپاہیوں کو جمع کر کے اُن سے دریافت کیا کہ آخر تمہیں کیا عذر ہے اور تم کیا چاہتے ہو، تو بعض سپاہیوں نے کارتوس کا عذر کیا۔ اسپر صاحب موصوف نے ان کو سمجھایا اور یقین دلایا کہ سرکار کا ارادہ یہ ہرگز نہیں کہ وہ کسی طرح تمہارے مذہب میں دخل دے اور فوج کو ہرگز ایسے کارتوس نہیں دیے جائینگے جن سے کسی قسم کا ان کے مذہب کو نقصان پہنچے۔ گفتگو کا سلسلہ جاری تھا اور افسر موصوف برابر فوج کو سمجھا رہے تھے مگر فوج ترش رو ہو رہی تھی اور اپنی ناراضی کا اظہار کر رہی تھی اور ان کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔

پہاڑی کے گرد اگرد سب فوج جمع تھی۔ میں بھی ان کے پاس گیا۔ اور بیٹھکر ان سے باتیں کرنے لگا۔ سپاہیوں نے جب یہ خبر سُنی کہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے تمام افسروں کو اسنے اپنے ہی ہاتھوں مار ڈالا تو انہوں نے بہت اظہار افسوس کیا اور کہا کہ ہم کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ہے تب میں نے ان سے پوچھا کہ تم ہمارا ساتھ دو گے یا مجھے اور میرے بال بچوں بلکہ تمام انگریزوں کو مارے جاتے ہوئے دیکھو گے اس کے جواب میں اکثر سپاہیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ جہاں تمہارا پسینہ گریگا ہم اپنا خون بہانے کو تیار ہیں اور جب تک میں بیٹھا رہا مجھ سے نہایت ادب و لحاظ سے پیش آتے رہے۔

پہاڑی چونکہ بلند مقام پر تھی اس لیئے ہم شہر کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے تھے۔ اب شہر میں کئی جگہ آگ کے شعلے نظر آتے تھے۔ بظاہر وہ مقامات انگریزوں کے معلوم ہوتے تھے اسی عرصہ میں میگزین اُڑا جسکو دیکھکر تمام سپاہی اپنے اپنے ہتھیا ر لیکر اور شور و غل مچا کر اور بیہودہ اشارات کر کے دوڑ پڑے اس وقت ان کو بمشکل تمام روکا میں اس وقت افسروں کے ساتھ فوج کے بیچ میں تھا۔ اس وقت تک میں نے کوئی کلمہ فحش ان کی زبان سے نہیں سُنا۔ البتہ صرف ایک سپاہی نے اتنا کہا کہ اب تمہارا نمک پانی کھایا نہیں جاتا۔ میگزین کے اُڑنے سے قبل ایک گاڑی شہر سے آئی جس میں کپتان اسمتھ کپتان بررو لفٹنٹ ایڈورڈ اور لفٹنٹ واٹرفیلڈ صاحب کی لاشیں تھیں۔ یہ سب افسر رجمنٹ نمبر ۵۴ کے تھے۔

ان لاشوں پر بیموں کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ جو ان کی بیکسی اور مظلومیت کا پتہ دے رہے تھے۔

برگیڈر صاحب نے وہ دونوں توپیں جو شہر میں روانہ کی گئی تھیں پھر واپس منگائیں مگر واپسی کے وقت ان سپاہیوں نے شرارت شروع کی جو توپوں کے ساتھ تھے اور بجائے پہاڑی پر آنے کے جہاں دوسری فوجیں پڑی ہوئی تھیں سیدھے چھاؤنی کا راستہ لیا۔ چھاؤنی کے راستہ میں کپتان ٹیلر صاحب کی جماعت کے تھوڑے سے سپاہی ملے جنہوں نے کپتان موصوف کو چھوڑ دیا تھا انہوں نے فوراً توپوں پر قبضہ کر لیا اور کپتان امین صاحب کمانیر اور سارجنٹ کو جو توپوں کے ہمراہ تھے لڑ بھڑ کر بھگا دیا۔ یہ دونوں صاحب گولیوں کی بارش سے بہزار دقت جان بچا کر پہاڑی کے برج میں آئے میری دانست میں ان انگریزوں میں سے جو شہر میں فوج کے ساتھ گئے تھے صرف یہی دو صاحب تھے جو صحیح سلامت یہاں پہنچے تھے۔

مفسد سپاہی توپیں چھین کر شہر کی طرف جا رہے تھے چونکہ پہاڑی پر سے سب نظر آتا تھا اس لئے کپتان ڈی ٹسٹر صاحب نے جو توپوں کو شہر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس غرض سے گئے کہ ان کو پہاڑی پر واپس لاویں مگر مفسد سپاہیوں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو گولیوں کی بھرمار کر دی۔ چنانچہ صاحب موصوف کا گھوڑا زخمی ہوا اور صاحب موصوف خدا خدا کر کے بچے۔

فسادی جماعت جب شہر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً ڈپٹی کلکٹر کرنیجر صاحب پر ان کی نظر پڑ گئی اور ان پر بھی گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر انہوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

رفتہ رفتہ دن بھر میں بہت سامانِ جنگ برج میں جمع ہو گیا تھا اور ہم کو قوی امید تھی کہ اگر توپچانہ بگڑ نہ گیا اور برابر کام دیتا رہا تو جب تک میرٹھ سے کمک پہنچے ہم تمام انگریز اور سارجنٹ اور عیسائی یہاں برج میں پوری حفاظت کیساتھ رہ سکتے ہیں مگر یہ نہ معلوم تھا کہ تقدیر میرٹھ میں کیا گل کھلا رہی ہے۔

دہلی سے رخصتی

لیکن جب ہر طرف سے امید جاتی رہی اور کوئی آسرا باقی نہ رہا تو ناچار تمام جنگی عہدداروں کے

مشورہ سے یہ رائے قرار پائی کہ میرٹھ چلنا چاہیئے چنانچہ تمام میم صاحبان اور وہ لوگ جو لڑنے کے قابل نہ تھے سب کو بگھیوں میں سوار کرا کر وزیر آباد کے گھاٹ سے جو چھاؤنی سے قریب تھا جمنا پار اُتار کر روانہ کر دیا۔ بگھیاں اور دونوں توپوں کو لیکر کپتان ڈی ٹسٹر صاحب آگے بڑھے اور پیدل فوج ان کے پیچھے چلی ہندوستانی سپاہی جس قدر ساتھ تھے سب کے سب نہایت بے دلی کیساتھ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

جب پہاڑی سے آئے تو ہم نے دیکھا کہ بگھیاں اور توپیں کرنال کے راستہ پر جا رہی ہیں اور وزیر آباد کے راستہ کو چھوڑ دیا ہے۔ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ پیدل چل رہا تھا اس لیئے کہ میرا گھوڑا میرے ساتھ نہ تھا۔ میرے علاوہ بھی بہت سے افسر میرے ساتھ پیدل تھے جب ہم اپنی لین کے قریب پہنچے تو تمام سپاہی خود سر ہو کر لین میں چلے گئے۔ چونکہ میرا بنگلہ بھی قریب تھا اس لیئے میں بھی وہاں گیا اور گھوڑے کو تیار پا کر اس پر سوار ہو لین میں آیا اور سپاہیوں سے دریافت کیا کہ تم میرے ساتھ چلنے کے لیئے راضی ہو۔ مگر سپاہیوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا بولنا بھی ان کو زہر لگتا ہے۔ اس وقت تمام سپاہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں علیحدہ علیحدہ بیٹھے تھے۔ صرف ایک سپاہی بدچلن معلوم ہوتا تھا جس نے مجھکو نہایت سخت و درشت اور فحش جواب دیا۔

اس کے بعد میں کرنال کی طرف چلا تا کہ گاڑیوں سے جا ملوں، چنانچہ تھوڑی دور جا کر وہ دونوں توپیں جو گاڑیوں کے ساتھ تھیں مجھکو دہلی کی طرف واپس ہوتے ہوئے ملیں واپس اس لیئے آ رہی تھیں کہ گولہ اندازوں نے کرنال جانے سے انکار کر دیا تھا۔

مجھے راستہ میں بہت سے زخمی افسر ملے جو بے تحاشا کرنال کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے ان کو متفق اللفظ یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اب کچھ باقی نہیں اور کسی طرح کوئی امن کی جگہ ڈھونڈنی چاہیئے۔

دوسرا افسانہ (۲)

جب دہلی کے اندر مفسدوں کے گھس آنے اور انگریزوں کے قتل کرنے عمارتوں کے جلانے ومسمار کرنے نیز میگزین خانہ میگزین کو ڈھا دینے کی خبریں چھاؤنی میں پہنچیں تو جنگی افسروں نے تمام فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ۵۴ نمبر کی رجمنٹ ہندوستانی پیدلوں کی تیار ہوئی کیونکہ یہ شہر کے مقام سے قریب تر تھی۔ اس رجمنٹ میں سے چھ کمپنیاں کرنیل ریلی صاحب کے زیر حکم کشمیری دروازہ مفسدین کے روکنے کے لیے گئیں اور دو کمپنیاں میجر پیٹرسن کے زیر حکم توپوں کے ساتھ جانے کے لیے کھڑی رہیں۔ کرنیل ریلی صاحب چونکہ فساد کی اصلی ماہیت سے واقف نہ تھے اور محض بازاریوں کا بلوہ سمجھے ہوئے تھے اس لیے اپنی سپاہ کو خالی بندوقوں کے ساتھ لے گئے تھے۔ سنگینوں کے زور سے بازاری فسادیوں کو منتشر کر دیں گے مگر یہ فوج جب شہر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً چند مفسد سوار نظر آئے اور انہوں نے آتے ہی افسروں پر حملہ کر دیا اور سپاہیوں سے کہا کہ ہم تم سے کچھ نہیں کہتے اور نہ مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ بچارے افسروں کو اس فساد کی اہمیت کی خبر نہ تھی اور وہ اسکو اس قدر سنگین نہ سمجھتے تھے اس لیے وہ سب فوج کے آگے تھے اس وجہ سے مفسدوں نے سب سے پہلے افسروں پر وار کیا اور کاریگر گولیاں برسانی شروع کیں۔ کرنیل ریلی کے پہلے تو گولی لگی پھر مفسدوں نے تلواروں سے چور چور کر دیا۔ کرنیل موصوف کے علاوہ اور بھی دو تین عہدہ دار گولیوں سے زخمی ہوئے افسروں نے بہت کچھ سپاہیوں سے منت سماجت کی کہ ہم کو بچاؤ مگر فوج نے ایک نہ سنی۔ نہ بندوقیں بھریں نہ مفسدین سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اس کے برعکس چند بدذات اور دغاباز سپاہیوں نے اُلٹے کرنیل ریلی صاحب کو سنگین کے زخم پہنچائے۔

اس ہنگامہ میں کپتان ولیس جو ایک ہفتہ کے لیے شہر میں متعین کئے گئے تھے پہنچ گئے انہوں نے اپنے گارد کو فیر کرنے کا حکم دیا مگر بدقسمتی دیکھئے کہ ان بدذاتوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ صاحب موصوف نے تحکمانہ بھی کہا منت و لجاجت اور نصیحت بھی کی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بیہودہ اشارات

کرتے اور طعن آمیز فقرے کستے رہے جب صاحب موصوف نے بہت خوشامد سے وجہ دریافت کی تو وہ فسادیوں کے لہجہ میں کہنے لگے کہ صاحب ہم ان لوگوں کے لیئے کچھ نہیں کرسکتے جنہوں نے ہمارے مذہب کے خراب کردینے کاارادہ کرلیا تھا اور چاہتے تھے کہ ہندو مسلمان دونوں کے مذہب اور ان کی ذاتیں خراب ہو جائیں۔ غرضکہ اسی طرح کے غلط سلط اور لغو و مہمل الزامات سرکار پر لگاتے رہے اور آخر میں کہنے لگے کہ اب ہم اس کا بدلہ لیں گے۔ اس عرصہ میں پانچ افسر جن کا ذکر اوپر آچکا ہے مارے گئے۔ کئی زخمی ہوئے اور ایک سپاہی بھی زخمی ہوا۔

جب مفسدوں اور سرکش سپاہیوں نے دیکھا کہ سرکاری فوج نے ان کا مقابلہ نہیں کیا اور اپنے افسروں کے حکم کے خلاف لڑنے سے انکار کردیا۔ تو وہ کشمیری دروازہ کی طرف چلے جہاں ایک چھوٹا سا مورچہ بنا ہوا تھا جس میں گارد رہا کرتا تھا کہ وہاں جاکر قبضہ کرلیں۔ مگر خوش نصیبی سے وہاں لفٹنٹ ولسن صاحب کے زیر حکم دو کمپنیاں رجمنٹ نمبر ۵۴ کی اور ایک توپخانہ پہنچ گیا جس کی وجہ سے بدمعاش مفسد پھر شہر کی طرف واپس لوٹ آئے۔

اس دغابازی اور عین وقت پر دھوکہ دینے کی خبر قریب گیارہ بجے کے چھاؤنی پہنچی۔ جسکے سنتے ہی ۷۴ رجمنٹ کے ہندوستانی سپاہیوں کو جمع کیا گیا تو اس میں صرف ڈیڑھ سو آدمی موجود تھے باقی مختلف مقامات پر پہلے ہی سے تقسیم و تعینات ہو چکی تھی۔ ان ایک سو پچاس سپاہیوں کو مع دو توپوں کی کمک اور ... دکی غرض سے میجر ایبٹ کے زیر حکم شہر کی طرف روانہ کیا گیا۔

ان سپاہیوں کی غداری اور نمک حرامی کی ایک اور حرکت دیکھئے کس قدر شرمناک اور حیاسوز ہے جب سپاہیوں کی غداری کی خبر معلوم ہوئی تو ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کا باقی حصہ اور ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی پریڈ پر طلب کیئے گئے۔ بریگیڈ ر صاحب نے ہر ایک کمان افسر سے کہا کہ وہ اپنے اپنے سپاہیوں کا ارادہ اور ان کے خیالات اس طرح سے دریافت کریں کہ ان کو بلا کر بطور خود والنٹیر بننے کے لیئے کہا جائے اگر وہ خود درخواست دیکر شامل فوج ہوں تو سمجھنا چاہیئے کہ سرکاری خدمت بجالانے کے لیئے تیار و آمادہ ہیں اور اگر خود درخواست نہ کریں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ وفادار نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اور حسب الحکم تمام سپاہی پریڈ میں جمع ہو گئے، مگر ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کا ایک سپاہی بھی اپنی جگہ سے تل برابر نہ سرکا۔ البتہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہیوں نے تعمیل حکم کی اور اپنی اپنی بندوقیں بھر لیں۔ اور شہر کی طرف رفع فساد اور انتظام کے لیئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں کشمیری دروازہ پر پہنچ گئے مگر چونکہ وقت گزر چکا تھا اس لیئے ان کا وہاں جانا بیکار رہا۔ کیونکہ مفسدین وہاں سے چلے گئے تھے۔ اس لیئے ان سے سوائے اسکے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ وہ وہاں جا کر ٹھہر گئے۔

اب مفسدین کا کہیں پتہ نشان نہ تھا اور نہ کسی نے تبلایا کہ کہاں گئے بہت سے ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی بھی غائب تھے۔ صرف دو کمپنیاں زیر حکم میجر پیٹرسن وہاں موجود تھیں تھوڑی دیر کے بعد افسروں کی لاشیں گاڑی پر لائی گئیں جن کے اوپر ان کے عورتوں کے گون وغیرہ پڑے ہوئے زبان حال سے ان کی بیکسی کا ماتم کر رہے تھے۔ جب نمبر ۵۴ کی رجمنٹ شہر چلی گئی تو کپتان ڈی ٹسٹر مع دو توپوں کے پیچھے رہ گئے اور اُنہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ جلدی سے آگے بڑھکر اس وسیع مقام پر قبضہ کرلیں جسکے ایک طرف پختہ سڑک تھی جو چھاؤنی کو جاتی تھی دوسری جانب پہاڑی کو راستہ جاتا تھا۔ چنانچہ بدقت تمام صاحب موصوف نے ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کو راستہ پر قبضہ کرنے اور اس کو گھیرنے کیلیئے بھیجا۔ ان کی غرض یہ تھی کہ کپتان ڈی ٹسٹر صاحب کی توپوں پر قبضہ کرلیں۔

کپتان مذکور ہر چند حکمت عملی سے یہ چاہتے تھے کہ ان کی توپوں کے قریب سپاہی جمع نہ ہوں مگر پھر بھی دن بھر چار پانچ سپاہی گولہ اندازوں کے ارد گرد پھرتے رہے۔

قریب بارہ بجے دن کے پہاڑی پر کا برج انگریزوں، میموں اور دوسرے عیسائیوں سے بھر گیا اور اس قدر شور وغل ہو رہا تھا کہ کسی قسم کا انتظام وغیرہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی شخص کسی طرح کی ہدایت یا حکم نہ مانتا تھا۔ اس موقع پر ایک سارجنٹ نے خبر دی کہ انہوں نے ایک نئے نواز سے سُنا ہے کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی کہتے ہیں کہ اگر توپ کی ایک آواز بھی ہوئی تو ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے تمام سپاہی بھر جاویں گے اور انگریزوں کو قتل کر ڈالیں گے۔

شام ہو رہی تھی، وقت گزرا جاتا تھا، اور شہر میں ہر طرف آگ ہی آگ دکھائی دیتی تھی۔ قریب شام کے

شہر میں ایک بڑے زور کی آواز ہوئی۔ یہ آواز میگزین کے اُڑنے کی تھی۔ سپاہیوں نے یہ دھما کا سُنا تو بگڑ کر بولے کہ جرنیل یہ کیا بات ہے جو ہمارے آدمیوں کو اس طرح مارا جاتا ہے۔

کپتان ڈی ٹسٹر صاحب نے پھر کشمیری دروازہ کی توپوں کے واپس لانے کا حکم دیا تھوڑی دیر کے بعد پھر حکم ہوا کہ میجر ایبٹ صاحب ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کو واپس لاویں چنانچہ تھوڑے عرصہ میں دونوں توپیں بڑے راستہ پر نظر آئیں۔ گویا چھاؤنی کی طرف جا رہی تھیں۔ کپتان ڈی ٹسٹر صاحب نے یہ دیکھکر بگل بجایا کہ وہ آکر پہاڑی پر ان کے ساتھ شامل ہوں مگر وہ نہ پھرے جب وہ نہ پھرے تو کپتان صاحب موصوف سمجھے کہ شاید اُنہوں نے بگل کی آواز نہیں سُنی اتنی دیر میں توپیں ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کی ایک گروہ کے قریب جا پہنچیں اور اُنکے پہنچتے ہی بندوقوں کے سر ہونے کی آواز آنے لگی اور توپیں شہر کی طرف مڑتی نظر آئیں۔ کپتان صاحب یہ دیکھتے ہی فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر توپوں کی طرف گئے کہ ان کو واپس لے آویں جب وہ قریب پہنچے تو تو حکم دیا کہ داہنی طرف ہو کر جلدی سے ہمارے پاس آجاؤ۔ مگر جب صاحب موصوف قریب ہو گئے تو اکثر سپاہیوں نے بندوقیں اُن کی طرف کیں اور متواتر چھ فیر کر دیئے جنمیں سے تین تو خالی گئے اور تین گولیاں گھوڑے کے لگیں مگر اس میں اتنی قوت باقی تھی کہ اسنے صاحب موصوف کو برج تک پہنچا دیا برج پر پہنچکر گھوڑا زمین پر گر کر مر گیا۔ اور دونوں توپیں اور سپاہی شہر کی طرف چلے گئے۔

اس کے بعد جب لفٹننٹ ڈ لوبی صاحب بھی آگئے تو میجر ایبٹ صاحب نے ۷۴ نمبر کی ایک رجمنٹ کو اس لیئے روانہ کیا کہ وہ جا کر یہ خبر لائے کہ آیا میگزین کے اُڑنے سے جو راستہ ہو گیا ہے اس میں سے وہ پیشقدمی کرتے ہیں یا نہیں مگر وہاں مفسدین کی اچھی طرح خدمت ہو گئی تھی وہ اس قدر خوف زدہ ہو گئے تھے کہ سب کے سب ایک دم شہر کو فرار ہو گئے۔

اس وقت تین بجے ہونگے اور کشمیری دروازہ میں مفسدین کا کوئی پتہ نشان نہ تھا۔ اس اثناء میں چھاؤنی سے حکم آیا کہ دونوں توپیں چھاؤنی کو واپس بھیجدی جائیں چنانچہ لفٹننٹ ایسیلیسی صاحب کے ہمراہ فوراً توپیں روانہ کر دی گئیں میجر ایبٹ صاحب نے اب یہ ارادہ کیا کہ جو میمیں گارد کی قیامگاہ میں پناہگیر ہیں ان کو چھاؤنی روانہ کر دینا چاہیئے چنانچہ حکم دیا کہ گاڑی تیار کی جائے۔ تھوڑے

عرصہ کے بعد ہی دونوں توپیں جو چھاؤنی بھیجی گئی تھیں کشمیری دروازہ پھر واپس آگئیں۔ مگر لفٹنٹ اور گولہ انداز ان کے ساتھ نہ تھے۔ درابیوں نے آکر بیان کیا کہ گولہ انداز چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہم بغیر ان کے چھاؤنی نہ جائینگے۔ آخر توپوں کے ساتھ تین تین چار چار سپاہی ملکر دروازہ کے اندر آگئے۔

قریباً ساڑھے تین بجے کے برگیڈیر صاحب کا حکم میجر ایبٹ صاحب کے نام اس مضمون کا آیا کہ جس قدر نمبر ۷۴ کی رجمنٹ کے سپاہی ان کے ہمراہ ہوں ان کو لیکر بہت جلد چھاؤنی پہنچ جائیں جب یہ حکم آیا تو میجر پیٹرسن اور ڈپٹی کلکٹر صاحب نے کہا کہ اس وقت اس رجمنٹ کا یہاں سے جانا مناسب نہیں کیونکہ جب تک دوسرا ان کے قائم مقام سپاہی نہوں اس کو چھوڑنا ٹھیک نہیں مگر ڈپٹی کلکٹر صاحب کو دوسرا خوف تھا وہ ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کا حال دیکھ چکے تھے اور ان کے اوضاع و اطوار مشتبہ تھے مگر میجر ایبٹ صاحب نے کہا کہ چونکہ حکم خاص طور سے میرے نام آیا ہے اسلیئے میں اسکی تعمیل لازمی سمجھتا ہوں مگر ڈپٹی صاحب نے کہا کہ آپ تھوڑا سا توقف کریں میں خود چھاؤنی جاکر برگیڈیر صاحب سے یہاں کی قیام کی ضرورت بیان کرتا ہوں اگر وہ مان گئے تو خیر ورنہ پھر حکم کی تعمیل کی جائیگی۔ چنانچہ یہ کہکر سوار ہو گئے توپیں پہلے ہی واپس آچکی تھیں ڈپٹی کلکٹر صاحب نے انسے کہا کہ اب تم ہمارے ساتھ چلو اور چونکہ بہت سی میمیں بھی موجود تھیں اور وہ گاڑی ابتک نہیں آئی تھی جس کے لیے حکم دیا گیا تھا اس لیئے توپخانہ کی ایک پیٹی خالی کرا کر اس میں سب کو سوار کرا دیا گیا۔ اور چھاؤنی روانہ کر دی گئی۔

اب ڈپٹی صاحب کو گئے ہوئے دیر ہوگئی تھی اس لیئے میجر ایبٹ صاحب نے زیادہ توقف کرنا مناسب نجانا۔ اس خیال کی تائید ایک جوالدار نے بھی کی اور بیان کیا کہ اس نے چھاؤنی کی طرف بندوقوں کی آوازیں سنی ہیں۔ اب یہاں زیادہ دیر لگانا کسی طرح مناسب نہیں۔ چنانچہ میجر صاحب نے فوج کی تیاری کا حکم دیا اور چل دیئے۔ قریب سو قدم دروازہ سے باہر ہوئے ہونگے کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی دروازہ کے اندر گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا اور وہیں بدمعاش سپاہیوں نے افسروں پر جو اب تک باہر نہ نکل سکے تھے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ اس فریب اور دغابازی کے صلہ میں ۷۴ نمبر کی رجمنٹ

کے کپتان گوردن صاحب سب سے پہلے مارے گئے ایک سپاہی نے پیچھے سے گولی ماری اور وہ
فوراً مرگئے۔ انکے بعد لفٹنٹ ربلی صاحب اس رجمنٹ میں سخت زخمی ہوئے۔ مگر انہوں نے
مرتے مرتے اپنی دونالی بندوق مفسدوں پر سر کردی جس سے دو ایک مفسد ہلاک ہوئے انسائن
ردلین متعلقہ ۵۴ نمبر رجمنٹ نے سب یہ حال دیکھا تو وہاں سے بھاگے اور دیوار پھاندکر خندق میں کود پڑے
اور دوسری پٹری پر چڑھکے جنگل کے راستہ سے چھاؤنی کو روانہ ہوگئے صاحب موصوف کو راستہ میں میجر پیٹرسن
ملے جو ۷۴ رجمنٹ کے ساتھ دروازہ سے باہر نکل گئے تھے یہ دونوں صاحب ۱ بجے کے قریب چھاؤنی میں
پہنچے۔ میجر ایبٹ صاحب نے بندوقوں کی آواز سنی تو اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا
ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی اپنے افسروں کو مار رہے ہیں
یہ سنکر میجر صاحب نے حکم دیا کہ واپس چلکر عہدہ داروں کی مدد کرو کسی نے حکم نہ مانا اور تمام
خوشامد چاپلوسی میجر صاحب کی بیکار اور ضائع گئی۔ سپاہیوں نے کہا کہ یہی بہت ہے
کہ ہم نے تم کو بچالیا۔ ہم سے وہاں جاکر کچھ نہ ہوگا بلکہ تمہیں بھی کھو بیٹھیں گے۔ یہ کہکر بہت سے
سپاہی میجر صاحب کے گرد جمع ہوگئے اور زبردستی اُنکو چھاؤنی کے اندر دھکیل لے گئے معلوم ہوا کہ
سپاہیوں نے نہایت بیدردی اور بیرحمی کے ساتھ افسروں پر گولیاں برسائیں لفٹنٹ اسمتھ صاحب
پہلے تو چار سپاہیوں کے ہاتھوں سے بمشکل بچ گئے تھے مگر بعد میں گلزار سنگھ سپاہی کے ہاتھ سے مارے گئے
واقعہ یہ ہے کہ تمام سپاہیوں نے اس شخص کو خاص طور سے اسمتھ صاحب کے قتل کرنے کی غرض
سے مامور کیا تھا۔ اس لئے کہ صاحب موصوف نے اس سپاہی کو غفلت اور عدول حکمی کی بنا پر عہدے سے
گھٹا دیا تھا ان کے علاوہ لفٹنٹ اسبوری صاحب بھی زخمی ہوئے تھے اور فورٹ صاحب کی میم
کے شانے پر گولی لگی تھی باقی جس قدر عہدہ دار اور عورتیں تھیں وہ دیوار پر چڑھ گئے تھے اسلئے مفسدوں
نے فیر کرنے اور گولیاں چلانی موقوف کر دی تھیں۔ اب وہ خزانے لوٹنے کی غرض سے روانہ ہوگئے تھے
مگر چلتے چلتے جس قدر توپیں تھیں سب کا منہ ان بیکسوں کی طرف کر کے سر کر دیا مگر خدا کے فضل سے کسی کو
نقصان اور گزند نہیں پہنچا۔ حالانکہ صرف چالیس گز کا فاصلہ تھا۔ جب ان غریبوں کو دم لینے کی فرصت

ملی تو یہ سب خندق میں اُتر کر اور پار جا کر شکلف صاحب کی کوٹھی میں پہنچے وہاں خوبی تقدیر سے کھانا تیار تھا۔ بچارے دن بھر کی فاقہ کشی سے نڈھال ہو گئے تھے۔ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگرچہ پیٹ بھر کر نصیب ہوا تھا۔ مگر دوسرے عہدہ داروں سے پھر بھی بہتر رہے کہ ان کو صبح سے کچھ نہ ملا تھا اور نہ آئندہ ملنے کی کوئی امید تھی۔

میجر ایبٹ صاحب شام کے قریب اپنے رجمنٹ کے کوارٹر میں گئے وہاں ان کے سپاہیوں نے صلاح مشورہ سے یہ طے کیا کہ اگر آپ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں تو بہتر ہے اور نہایت عاجزی سے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اسلیئے کہ اگر ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہیوں نے سن لیا یا دیکھ لیا کہ آپ یہاں چھپے ہوئے ہیں تو وہ آپکو قتل کر ڈالیں گے اور ہم سے کچھ نہ ہو سکیگا اور ہم آپکو نہ بچا سکیں گے۔ یہ کہکر کچھ سپاہی گھوڑا لینے کے واسطے چھاؤنی گئے۔ اس عرصہ میں بہت سی گاڑیاں اور بگھیاں کرنال کی طرف جاتی اور بھاگتی ہوئی نظر آئیں یہ دیکھکر سپاہیوں نے کہا کہ وہ دیکھو بہت سے افسر اور میم صاحبان کرنال جا رہے ہیں آپ بھی ان کے ساتھ چلے جائیے۔ مگر باوجود اسکے اس نے بہت گڑگڑا کر رکنے کیلیئے کہا مگر وہ شاید اس خیال سے نہیں سے کہ مبادا مفسد بن جیلے بہانے سے نہ ٹھہراتے ہوں مطلق نہ ٹھہرے۔

اس عرصہ میں کپتان ہاکی صاحب گھوڑے پر سوار آگئے اور میجر صاحب کو اپنے پیچھے سوار کر کے لے چلے اور ان دونوں توپوں تک پہنچا دیا جو کرنال کی طرف جا رہی تھیں۔ چنانچہ پہیئے پر میجر صاحب بیٹھ گئے اور باتفاق انسائن لائن صاحب چار میل تک گئے مگر وہاں سے آگے نہ جا سکے کیونکہ دراہیوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور ان دونوں انگریزوں کو راستہ میں اُتار دیا خوش قسمتی سے کپتان ڈبلیس صاحب بگھی پر سوار وہاں آموجود ہوئے اور دونوں صاحبوں کو اپنے ساتھ بٹھلا کر روانہ ہو گئے

دہلی سے جس قدر گاڑیاں اور بگھیاں چوری چھپے سے جان بچا کر بھاگ نکلی تھیں جن میں بہت سے انگریز افسر اور ان کے عیال و اطفال تھے سب کرنال پہنچ گئے راستہ میں صرف ایک جگہ دہلی سے قریب چالیس میل فاصلہ پر ٹھہرے تھے۔ یہاں چونکہ ڈاک بنگلہ تھا اس لئے کھانا کھانے کی غرض سے اُتر پڑے تھے۔ بہرحال یہ لوگ مع الخیر کرنال پہنچ گئے۔ مگر کرنیل نیوٹ اور ان کے ساتھ میں

جو بھاگ نکلے تھے وہ لوگ البتہ بچارے میدانوں میں سرگرداں ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ آخر کار رسالہ سوم لفٹنٹ گف کے اور لفٹنٹ میکنزی کے زیر حکم ادھر آ نکلا اور اس نے ان کو حفاظت میں لے لیا اس گروہ میں جو ٹھیک رہا تھا کرنیل نیوٹ لفٹنٹ پروکٹر لفٹنٹ میکرہ ۳۸ رجمنٹ کے اور لفٹنٹ ولسن توپخانہ کے اور لفٹنٹ سالکیلڈ صاحب انجنیر لفٹنٹ وال مارٹ ۵۴ رجمنٹ کے لفٹنٹ جے فورٹ میگزین والے مع اپنی میم اور تین لڑکیوں کے اور فریزر صاحب کی میم شامل تھیں یہ تمام لوگ کوہن تالی ایک شخص کے بہت شکر گزار ہیں جو ہر چند یورپین رہتے ہیں اور ڈیوس صاحب کے رشتہ دار ہیں جنکو شمرد کی بیگم نے اپنا لڑکا قرار دیا تھا کوہن صاحب موصوف نے ان سب صاحبوں کی بڑی مہمان نوازی کی اور اپنی حفاظت میں رکھا۔

۱۲ مئی دو بجے کے قریب ذیل کے اصحاب باغپت پہنچے جہاں اس قصبہ کے نمبرداروں نے ان سب لوگوں کی بیحد مہمانداری کی ان کے علاوہ بھی جو انگریز اس طرف آ نکلا اس کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، باغپت میں ان لوگوں نے کھانا کھایا اور میرٹھ کی طرف روانہ ہو گئے اور آفتاب کے غروب ہوتے ہوئے میرٹھ پہنچ گئے، اس گروہ میں یہ لوگ شامل تھے۔

کپتان ولسن مع میم کپتان ہاکی اور انسائن ملٹہن متعلقہ ۷۴ رجمنٹ ہندوستانی کپتان دی ٹشتر مع اپنی بیوی اور مس ہنچنس صاحبہ اور مرلی صاحب کلکٹر کسٹم مع اپنی والدہ اور بیلی صاحب مع اپنے اہل و اطفال کے۔

ایک اور گروہ جس میں لفٹنٹ ہوز بیل ایڈ جکٹن اور لفٹنٹ رینر صاحب مع ایکلو صاحب لفٹنٹ ڈیولی صاحب تھے ان کا کہیں پتہ نشان نہ لگا معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتیوں کے ساتھ مارے گئے۔

لفٹنٹ ڈیولی، لفٹنٹ فورست اور لفٹنٹ رینر صاحب نیز دوسرے انگریزوں نے میگزین کے بچانے اور حفاظت میں نہایت بہادری اور شجاعت سے کام لیا مگر چونکہ کچھ لوگ میگزین کے اندر تھے اور وہ بھی سخت دغاباز تھے۔ نیز باہر مفسدین کا بہت مجمع ہو گیا تھا اس لیے اب اس کی حفاظت ممکن نہ تھی اس لیے میگزین کو آگ لگا دی اور اڑا دیا۔ اس ہنگامہ میں چند انگریز بھاگ

نکلے تھے منجملہ ان کے ایک لفٹننٹ فورسٹ صاحب تھے اور ان ہی کی چٹھی سے میگزین کی محافظت کا حال معلوم ہوا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میگزین اُڑنے کا فسانہ

۱۱ مئی صبح سات آٹھ بجے کے درمیان سر تھی اوفلس مٹکاف صاحب میرے مکان پر آئے اور کہا کہ میگزین میں چلکر دو توپیں نکلوا کر پل پر بھیجدو تاکہ مفسدین دریا کو عبور نہ کر سکیں میں ان کے ہمراہ میگزین آیا یہاں لفٹننٹ ڈیولی لفٹننٹ رینر مع کنڈکٹر کلی صاحب شابکلی صاحب اور ایکٹنگ سب کنڈکٹر کرو صاحب اور سارجنٹ ایڈورڈ صاحب اور سٹوارٹ صاحب مع اپنے ہندوستانی عملہ کے موجود تھے۔ سر تھی اوفلس اپنی بگھی سے اُترے اور میں اور لفٹننٹ ڈیولی صاحب ان کے ساتھ برج پر گئے جو دریا کی طرف تھا یہاں سے پل صاف نظر آتا تھا وہاں پہنچکر دیکھا تو مفسد پل سے عبور کر رہے تھے۔

یہ حال دیکھکر سر تھی اوفلس مٹکف صاحب لفٹننٹ ڈیولی صاحب کو ساتھ لیکر شہرپناہ کا دروازہ دیکھنے گئے کہ وہ بند کر دیا گیا ہے یا نہیں چنانچہ تمام دروازے کھلے ہوئے تھے اور مفسد نہایت خوش و خرم قلعہ کے دروازوں میں داخل ہو رہے تھے اور بادشاہی مکانات تک پہنچ گئے تھے جب لفٹننٹ ڈیولی واپس آئے تو اُنہوں نے میگزین کے دروازے بند کرا کر اُن پر تیغے لگوا دیئے دروازہ کے اندر دو توپیں چھ چھ پنی کی دو چند گراب بھروا کر ایکٹنگ سب کنڈاکٹر صاحب اور سارجنٹ اسٹوارٹ صاحب کے زیر اہتمام رکھوا دی گئیں اور ان صاحبوں کو بتیاں دیکر یہ حکم دیدیا گیا کہ اگر مفسدین دروازہ کے اندر داخل ہوں تو دونوں توپیں سر کر دی جائیں میگزین کا بڑا دروازہ بھی اسی طرح دو توپوں سے مضبوط و مستحکم کر دیا گیا اور دروازہ کے اندر گوکھرو بچھا دئے گئے بہ نظر احتیاط و حفاظت دو توپیں اور اس طرح پر قائم کر دی گئیں کہ ان کا گولہ دروازہ اور برب تک پہنچتا تھا اسکے علاوہ دروازہ اور دفتر سامان کے درمیان راستہ تھا۔ ان دونوں راستوں پر تین تین چھ پنی اور

۲۴ پونڈ کا غبارہ اس طرح نصب کر دیا کہ جدھر چاہیں گھما کر قرب و جوار کے مکانات کی حفاظت کر سکیں جب غبارہ اور توپیں قائم کر دی گئیں تو ان سب میں دو چند گراب چھرے بھروا دئے گئے غرضکہ تمام ممکن حفاظت کا سامان اچھی طرح کر کے ہندوستانی عملہ کو ہتھیار تقسیم کیئے جانے لگے مگر ان لوگوں نے نہایت ناخوشی سے لیئے مگر کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ ان لوگوں کے چہرہ پر نہیں پائی جاتی تھی اسکے بعد کنڈ اکٹر بکلی صاحب اور سارجنٹ اسٹوارٹ صاحب نے ایک شتابہ لگایا۔ انکو یہ حکم تھا کہ جب لفٹنٹ ڈیولی صاحب کے حکم سے کنڈ اکٹر بکلی صاحب اپنی ٹوپی سر سے اُٹھائیں اسی وقت شتابہ میں آگ دیدو۔ چنانچہ صاحب موصوف نے یہ شتابہ اُڑا دیا مگر اس وقت جبکہ ایک ایک گولہ غبارہ کا چل چکا تھا۔ اتنے عرصہ میں قلعہ سے گارد آیا اور میگزین پر شاہ دہلی کے نام سے قبضہ طلب کیا مگر اسکا کچھ جواب ادھر سے نہ دیا گیا۔ اسکے بعد میگزین کے گارد کے صوبہ دار لفٹنٹ ڈیولی صاحب کو اطلاع دی گئی کہ شاہ دہلی نے مفسدین کو کہلا بھیجا ہے کہ ہم زینہ بھیجتے ہیں تاکہ تم لوگ میگزین کی دیواروں پر چڑھ جاؤ۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں زینہ آگیا اور اسکو لگا کر تمام ہندوستانی عملہ دیواروں پر چڑھکر باہر اُتر گیا مفسدین بے انتہا کثرت سے آگئے۔ ہمارے پاس جب تک گولہ بارود رہا خوب مقابلہ کرتے رہے۔ چنانچہ مفسدین کا بہت نقصان ہوا۔ مگر چونکہ وہ بہت کثرت سے تھے اور رنجک کے توڑدان ہندوستانی سپاہی مفسدین میں سے پہلے چھپا کر رکھ گئے تھے اس لیے مجبوراً میگزین اُڑا دینا پڑا۔

ہندوستانی عملہ میں سے رحیم بخش نامی ایک شخص مفسدین کے گروہ سے ملا ہوا تھا وہ میگزین کے دروازوں کا دربان تھا یہ شخص باہر مفسدین کو اندر کا حال بتلا دیا کرتا تھا۔ یہ بار بار اندر آ جاتا تھا اور جب حال کہدیتا تھا لفٹنٹ ڈیولی صاحب اس شخص کی ناشائستہ حرکات سے اس قدر تنگ اور عاجز آگئے تھے کہ مجبوراً حکم دیدیا تھا کہ اگر یہ اس مرتبہ پھر باہر جائے تو گولی ماردو۔

لفٹنٹ رینر صاحب نے دوسرے انگریزوں کے ساتھ ملکر میگزین کی حفاظت کے لیئے تمام ممکن تدابیر کر ڈالیں کنڈ کٹر بکلی صاحب نے جس قدر توپیں تھیں کم از کم چار دفعہ سر کیں اور اس مضبوطی اور اوسان کی درستی کے ساتھ اُنہوں نے اپنا فرض انجام دیا گویا پریڈ پر کام انجام دے رہے ہیں حالانکہ

مفسدین جو ۴۰ یا ۵۰ گز کے فاصلہ پر تھے ہر طرف سے گولیوں کی بارش کر رہے تھے۔ جب گولہ بارود
ختم ہو گیا اس وقت کنڈکٹر صاحب کے کہنی سے ذرا اوپر ایک گولی آ کر لگی جو بعد میں نکال لی گئی۔
اس کے بعد دو گولیاں میرے بھی لگیں۔ اس جنگ اور ہنگامہ کے بعد لفٹنٹ ڈیولی صاحب نے
میگزین کے اُڑا دینے کا حکم دیا جس کی تعمیل کنڈکٹر نکل صاحب نے فوراً کی تمام شتابوں کو آگ
لگا دی اگرچہ کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس کو کچھ آسیب و گزند نہ پہنچا ہو لیکن جان سے بچ گئے اور ان
راستوں سے جو میگزین کے اُڑنے سے اس کی دیواروں میں بن گئے تھے دریا کی طرف باہر آ گئے لفٹنٹ
ڈیولی اور میں جان سلامت لیکر کشمیری دروازہ تک پہنچ گئے میں نہیں کہہ سکتا کہ اوروں کے ساتھ کیا ہوا
لفٹنٹ ریز صاحب اور کنڈکٹر نکل صاحب جان سلامت بچا لائے۔ سارجنٹ مویل صاحب
میگزین کی حفاظت و امانت کے لیئے آ رہے تھے کہ مفسدوں نے راستہ ہی میں انہیں مار ڈالا۔
اس حادثہ کے متعلق ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک اور افسر کی چٹھی بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۱۱ مئی سنیچر کے روز دہلی کی تمام فوج کو پریڈ کرنے اور رسالہ سوم کے کورٹ مارشل
کی تجویز سننے کے لیئے حکم صادر ہوا۔ چنانچہ سب فوج پریڈ پر جمع ہوئی اور پریڈ کرنے کے بعد حسب دستور
اپنی اپنی چھاؤنی میں چلے گئے۔ قریب نو بجے کے کرنیل رپلی صاحب واپس آئے تاکہ اپنی رجمنٹ اور دو توپیں
دریا کے پل پر لے جائیں اور رسالۂ سوم کے مفسدین کو دریا عبور کرنے سے روکیں چنانچہ گوروں کی تمام
رجمنٹ فوراً حکم پاتے ہی باہر آئی اور دس منٹ میں تیار ہو کر بخوشی تمام روانہ ہو گئی۔ جب میں پریڈ پر پہنچا تو
کرنیل صاحب نے مجھکو حکم دیا کہ اپنی کمپنی نہم نمبر اول کو لیکر اور توپخانہ میں جا کر ان دونوں توپوں کے ساتھ رہو
جو روانہ ہونیوالی ہیں چونکہ کپتان ڈی ٹشلر صاحب کا بنگلہ راستہ میں تھا اس لیئے میں ان کے پاس گیا اور
ان سے توپوں کی روانگی کے متعلق دریافت کیا۔ صاحب ممدوح نے کہا کہ ابھی تیار ہوتی ہیں، تم
صدر بازار میں ان کا انتظار کرو دونوں توپیں وہیں پہنچیں گی۔ میں ان کے حکم کے مطابق صدر بازار میں
جا کر ٹھہر گیا مجھے وہاں پہنچے ہوئے آدھ گھنٹہ کے قریب گزر گیا مگر توپوں کا اب تک کوئی پتہ نشان نہ تھا
عاجز و ناچار ہو کر میں نے لفٹنٹ وائی مارٹ صاحب سے کہا آپ جا کر دریافت کریں کہ توپوں کے

آنے میں کیوں اس قدر دیر ہوئی اور میں اپنی کمپنیاں لیکر شہر کی طرف جاتا ہوں تاکہ وقت بیکار نہ جائے لفٹننٹ وائی مارٹ جس وقت پہنچے توپیں باہر آرہی تھیں اور میرے پاس اس وقت پہنچیں جب میں نصف راستہ سے زیادہ طے کرچکا تھا۔ جب میں گارد سے سو گز کے قریب پہنچا تو کپتان ولسن صاحب متعلقہ ۷۴ رجمنٹ کے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ جلد چلو کیونکہ مفسد وہاں پہنچ گئے تھے اور ان بدبختوں نے ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے تمام افسروں کو قتل کر ڈالا تھا یہ سنکر میں نے حکم دیا کہ دونوں توپیں اور سب بندوقیں بھرلی جائیں اس عرصہ میں میں نے دیکھا کہ کرنیل صاحب مجروح اور خستہ حال میجر صاحب کی امداد میں ایک پالکی پر سوار چلے آرہے ہیں، چونکہ میری دونوں کمپنیوں نے بندوقیں بھرلی تھیں اس لیئے میں ان کو لیکر مفسدین کی تلاش میں نکلا اور مقام گارد میں آیا مگر اس وقت وہاں کوئی مفسد نہ تھا اور نہ ۵۴ رجمنٹ کی ہشتم کمپنی کا کوئی سپاہی مجھ سے پہلے وہاں موجود نہ تھا۔ یہ حال دیکھکر میں نے دونوں توپیں شہر کے دروازہ پر لگادیں اور جابجا پہرے مقرر کردیئے۔ اس جگہ میں یہ بیان کردینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ کپتان ولسن صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ جو گارد پہرہ میں تھا جس میں پچاس سپاہی ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے تھے چھ گز کے فاصلہ پر کھڑے کرنیل ریلی صاحب کے مجروح اور زخمی ہونے کا تماشا دیکھتے رہے اور کسی نے امداد نہ دی۔ حالانکہ کپتان ولسن صاحب نے بہت کچھ ترغیب دی مگر ٹس سے مس تک نہ ہوئے خود کرنیل ریلی صاحب کا بیان ہے کہ مجھ کو خود میری ہی رجمنٹ کے سپاہی نے سنگین سے مجروح کیا ہے ڈاکٹر اسٹوارٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے صاحب موصوف کو مفسدین کے سوار کے خوشامد سے ہاتھ جوڑتے دیکھا تھا اسپر بھی ان دغابازوں نے مفسدین کے روکنے اور افسروں کو قتل و غارت ہونے سے مطلق نہیں بچایا۔

غرض جب کوئی مفسد نظر نہ آیا تو ہم نے افسروں کی لاشوں کو تلاش کرنا شروع کیا چنانچہ ان کو جابجا میدانوں میں اور گرجا گھر کے قریب اور اسکے متصل مکانات کے اردگرد پایا چنانچہ سب لاشوں کو گارد کے مکان کے صحن میں جمع کیا جن افسروں کی لاشیں تلاش سے مل گئیں انکے نام حسب ذیل ہیں۔

کپتان سمتھ صاحب۔ کپتان روس صاحب لفٹننٹ ایڈورڈ صاحب وائر فیلڈ صاحب ڈاکٹر وڈ جنگ صاحب لفٹننٹ بٹلر صاحب۔ ان کے علاوہ لفٹننٹ اسبورن صاحب انسائن الکوک صاحب

بھاگ گئے تھے بعد میں ہمارے پاس صحیح سلامت آگئے ان میں سے لفٹننٹ بٹلر صاحب کے ایک سخت زخم سر پر لگا تھا۔ جو ان کے بیان کے موافق شہر والوں نے مارا تھا۔ اب شہر والوں نے گرجا گھر اور انگریزوں کی کوٹھیوں کو خوب لوٹنا شروع کیا ہمیں بمشکل گارد تک جان سلامت لیکر پہنچیں لیکن ان تمام امور کے باوجود شہر میں اس وقت سب طرح امن امان تھا۔ اس کے بعد میگزین کی طرف سے توپوں کے چلنے کی آواز سنائی دی میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ دوپہر کے بعد ۷۴ نمبر کی رجمنٹ زیر حکم میجر ابٹ صاحب آچکی تھی اسکے ایک گھنٹہ کے بعد میگزین کے اُڑنے کی آواز آئی لیکن ہم کو یہ نہ معلوم ہوا کہ میگزین کس نے اُڑایا اور کیونکر اُڑا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد لفٹننٹ ویوی صاحب جو میگزین سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے تھے اُنھوں نے بیان کیا کہ ہم نے اور سارجنٹوں نے حتے المقدور بچایا اور جب تک اس کا بچنا ممکن تھا ہم نے اسے نہیں اُڑایا۔ مگر جب شاہ دہلی کے بھیجے ہوئے جنگی زینے آگئے اور مفسدین اندر تک پہنچ گئے اور خلاصی وغیرہ بھی ہم سے منحرف ہو کر مفسدین سے مل گئے تو ناچار ہم نے اس کو اُڑا دیا ہم نہیں جانتے کہ اس میں کس قدر آدمی مرے مگر میں بمشکل بچکر بھاگ نکلا ہوں۔ صاحب موصوف کے چہرے سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اگر فضل الٰہی شامل حال نہ ہوتا تو ان کا بچنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ بارود کے صدمے سے تمام چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔

اس روز تمام دن برگیڈیر صاحب کا کوئی حکم ہمارے پاس نہ آیا۔ حالانکہ ہم نے کئی مرتبہ ان کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ کوئی حکم ہمکو دیں مگر ایک مرتبہ بھی صاحب موصوف اور برگیڈیر میجر صاحب ادھر دیکھنے تک نہ آئے کہ کیا ہو رہا ہے۔ حالانکہ ان کا یہاں آنا بہت ضروری تھا۔ البتہ صاحب موصوف نے دو عدد توپیں ہماری امداد کے واسطے بھیجی تھیں۔ مگر بعد میں پھر واپس منگالیں۔ ۳۸ نمبر رجمنٹ کے ڈاکٹر دو صاحب کو ایک توپخانہ کے ایک سپاہی نے سخت زخمی کر ڈالا۔ ان کے چہرہ پر شدید زخم آئے تھے ڈاکٹر صاحب موصوف گارد میں علاج کے واسطے آئے تھے اور اب واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کو زخمی کر دیا گیا۔

شام کے پانچ بجے کے قریب ایک حکم اس مضمون کا آیا کہ ایک رجمنٹ ۷۴ نمبر کی جو میجر ابوٹ صاحب کی کمان میں تھی پہاڑی پر جہاں ۳۸ نمبر کی رجمنٹ پہلے سے تیار کھڑی ہے فوراً آجاوے سپاہی تیار ہوکر کوچ کے منتظر کھڑے تھے کہ دفعۃً ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے بعض سپاہیوں نے افسروں پر جو صحن میں موجود تھے گولیاں مارنی شروع کردیں میں اتفاقاً کشمیری دروازہ کے قریب تھا میں نے دیکھا کہ ایک افسر زخمی ہوکر زمین پر گرا۔ اتنے میں میری رجمنٹ کے ایک سپاہی نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھکر مجھکو دروازہ کے باہر زور سے دھکا دیکر نکالدیا اور یہ کہا کہ اگر ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہروگے تو تم بھی اسی طرح مارے جاؤگے۔ جونہی میں باہر آیا کہ ایک سپاہی ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کا میرے ساتھ ہوگیا۔ ہمنے سپاہی کو ساتھ لیکر راستہ چھوڑکر دوسرے راستہ سے پہاڑی کے برج کی راہ لی وہاں پہنچکر برگیڈیر صاحب اور دوسرے انگریزوں سے سب حال بیان کیا گیا۔ یہاں چھاؤنی میں بہت سی میمیں اور اکثر عہدہ دار موجود تھے۔ یہ حال سنکر سب کے بھاگنے کا ارادہ ہوا تو آدمیوں کا اژدہام گاڑی بگھی اور پالکی گاڑیوں کی کثرت اور آدمیوں کی پریشانی قابل دید تھی۔ یہ سب کرنال کی طرف روانہ ہوئیں مگر جب اس مقام پر پہنچیں جہاں سے ایک راستہ میرٹھ کی طرف جاتا تھا تو چند سواریاں میرٹھ کی طرف روانہ ہوگئیں مجھے اس سے پہلے یہ بیان کردینا چاہیئے کہ قریب گیارہ بجے کے ۵۴ نمبر رجمنٹ کی لائٹ کمپنی کا ایک سپاہی میرے پاس آیا اور اس نے بیان کیا کہ مجھکو رجمنٹ والوں نے اس واسطے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو جہاں کا حکم دیں وہ وہاں جائیں۔ میں یہ سنکر متعجب ہوا اور میں نے دریافت کیا کہ رجمنٹ کہاں ہے اُس نے کہا کہ سبزی منڈی میں ہے میں نے اس سے پوچھا کہ رجمنٹ وہاں کس لئے اور کیونکر گئی، اس نے جواب دیا کہ جس وقت مفسدین نے افسروں پر حملہ کیا تو تمام سپاہی متفرق ہوکر بھاگ گئے اور اب تمام شہر میں پھر پھراکر سبزی منڈی میں جمع ہوئے ہیں یہ سنکر میں نے حکم دیا کہ سب میرے پاس چلے آویں چنانچہ وہ گیا اور سب سپاہی حسب الحکم مع نشان جھنڈہ وغیرہ کے حاضر ہوگئے۔

اسکے بعد جولدار میجر نے آکر کہا کہ تم لوگ رسالہ سوم کے سواروں کے ہمراہ تھے اور ان کے لوگوں کو شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے مگر سپاہی نے اس سے انکار کیا۔ یہاں تک تو چشم دید حالات

میں نے بیان کیے مگر جب میں گارد سے چلا آیا تو اس کے بعد کچھ واقعات ظاہر ہوئے وہ ایک صاحب کی چٹھی سے نقل کیا جاتا ہے جو وہاں موجود تھے اور دوسرے انگریزوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔

"۳۸ رجمنٹ کے سپاہیوں نے جب اپنے ہی افسروں پر گولیاں برسانی شروع کیں تو تمام افسر ایک موری کے ذریعہ جو گارد کے کمرہ کے اندر تھی بھاگ کرنا بکھر ہوئے۔ مگر جب تک بھاگیں بھاگیں تین افسر یعنی کپتان گارڈن صاحب لفٹنٹ اسمتھ صاحب اور لفٹنٹ ریولی صاحب مارے گئے اور لفٹنٹ اسیورن صاحب کے ایک گولی ٹانگ میں آکر لگی مگر یہ سب کے ساتھ مقام مذکور میں کسی طرح پہنچ گئے اور زخم کو باندھ بوندھکر خندق میں کود پڑے اور خندق کی تہہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے انگریز بھی کودنے کے لیے تیار تھے کہ عورتوں اور بچوں کی گریہ و زاری اور رونے دھونے کی آواز آئی۔ یہ سب ہمیں گارد کے کمرہ کے اندر موجود تھیں۔ یہ سنکر سب انگریز کمرہ کے اندر واپس گئے حالانکہ گولیوں کی ان پر بارش ہو رہی تھی مگر ان لوگوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور سب عورتوں کو ایک ایک کر کے رومالوں کو باندھکر اس کے ذریعہ خندق میں نیچے اُتار دیا اور خود بھی اُتر گئے اگلی دوسری طرف کی دیوار پر چڑھکر انہیں رومالوں کے ذریعہ پھر سب عورتوں کو کھینچ لیا وہاں سے سب کے سب دریا کی طرف روانہ ہوگئے مگر ہر ہر قدم پر خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں مفسد نہ آجائیں اور ہم کو مار نہ ڈالیں مگر خدا کا شکر ہے کہ مفسدین نے ان کا پیچھا نہیں کیا بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ اس وقت بھی گولیاں نہیں چلائیں جب یہ سب عورتیں اور مرد خندق میں اُتر رہے تھے۔ حالانکہ اس اُترنے چڑھنے میں آدھ گھنٹہ صرف ہوا ہوگا۔ غرضکہ یہ سب انگریز اور ان کی عورتیں دریا کے پار پہنچیں اور وہاں سے بے انتہا سرگردانی اور فاقہ کشی کے بعد ایک دیہات میں پہنچے جو دہلی سے بارہ میل پر واقع ہے یہاں کے نمبردار نے ان لوگوں سے اقرار کر لیا تھا کہ وہ ایک چٹھی میرٹھ روانہ کردے گا چنانچہ میرٹھ سے تیسرے دن کچھ فوج آئی اور اس قافلہ کو اپنی حفاظت میں میرٹھ لے گئی۔ لفٹنٹ ٹیلر صاحب اور انسائن انجلو صاحب بھی بھاگے تھے مگر وہ کسی گاؤں میں مارے گئے۔

انگریزوں کے قتل و غارت کے بعد مفسدین نے ایک شاہزادہ کو تخت پر بٹھایا اور

اپنا چوکی پہرہ سب دروازے پر بٹھا دیا قلعہ کے چاروں طرف توپیں چڑھا دی گئیں خزانہ بھی قلعہ ہی میں رکھا گیا کیونکہ مفسدین کا ارادہ تھا کہ اگر انگریز ہم پر حملہ کرینگے تو اس مقام کو وہ آخر دم تک نہ چھوڑیں گے۔

مفسدین نے صرف انگریزوں ہی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ شہر والوں کے ساتھ بھی وہ ظلم کئے کہ الامان و الحفیظ، دہلی شہر ہمیشہ سے دولتمند مشہور ہے۔ مفسدین خوب جانتے تھے اسی لیے خوب جی کھول کر اسے لوٹا۔

ایک ہندوستانی جو اس درمیان یعنی ۱۳ مئی سے ۲۳ جون تک دہلی میں تھا شہر کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے کہ مفسدوں نے شہر کے باشندوں کا ایک گھوڑا بھی نہیں چھوڑا۔ سب چھین لے گئے اکثر دکانداروں کو محض اس قصور پر جان سے مار ڈالا کہ وہ واجبی قیمت مانگتے تھے۔ بزرگوں سے بدزبانی سے پیش آئے، دریا کے پل پر جو گارد مقرر تھا اسنے ہر ایک مسافر لوٹ لیا۔

جس روز سے شہر میں داخل ہوا اور جب تک رہا میں نے کبھی پورا بازار کھلا ہوا نہیں دیکھا۔ صرف دو چار بنیئے بقالوں کی دوکانیں معمولی ساز و سامان کی کھلا کرتی تھیں۔ شہر کے باشندے اور دکاندار سب ہی افسوس کرتے تھے۔ اہل حرفہ کی حالت فاقہ کشی تک پہنچ گئی تھی۔ بیوہ عورتیں مکانوں میں بیٹھی رویا کرتی تھیں اور صبح سے شام تک مفسدین کو بددعا دیا کرتی تھیں۔ انگریزوں کے نامی اور مشہور ملازموں نے گھر سے نکلنا موقوف کر دیا تھا۔

ہر روز ایک نیا کوتوال مقرر ہوتا تھا۔ مفسدوں کو شہر میں جہاں نقد روپیہ نظر آتا فوراً لوٹ لیتے تھے۔ یہ سب روپیہ ابھی تک سپاہیوں کے قبضہ میں تھا اور خزانہ شاہی میں ایک حبہ داخل نہیں ہوا تھا۔ بعض رجمنٹوں کے پاس اس قدر روپیہ جمع ہو گیا تھا کہ وہ بمشکل حرکت کر سکتے تھے۔ چنانچہ بوجھ کی وجہ سے اُنہوں نے روپیہ کی مہریں بدلوا لیں۔ مہاجنوں نے مہر کا نرخ اس قدر بڑھا دیا تھا کہ جو مہر سولہ روپے کی در کی تھی اُس کے چوبیس اور پچیس روپے کر دیے جس طرح پہلے سپاہیوں نے مہاجنوں کو لوٹا تھا اسی طرح اب مہاجن سپاہیوں کو لوٹنے لگے یہاں تک لوٹا کہ کہ طلائی اشرفیوں کی بجائے پیتلی اشرفیاں فروخت کیں۔

جس رجمنٹ کے ہاتھ کچھ لوٹ نہیں لگی وہ دولتمند سپاہیوں پر رشک کرتے تھے اور چونکہ متمول سپاہی میدانِ جنگ میں نہ جاتے تھے اس بہانے سے مفلس سپاہی ان کو بہت سخت وسست کہتے تھے بلکہ میں نے سُنا کہ دولتمند اور غریب سپاہیوں میں لڑائی ہونیوالی ہے۔

ایک رجمنٹ علیگڑھ سے ایک سو پچاس سوار مین پوری سے تھوڑے بے سلاح سپاہی آگرہ سے ایک رجمنٹ اور دوسوار ہانسی حصار سے تھوڑے بے سلاح سپاہی انبالہ سے دوسو سوار اور دو کمپنی متھرا سے ششم رسالہ لائٹ اور دو رجمنٹ جالندھر سے دو رجمنٹ اور توپخانہ نصیرآباد سے میرے سامنے دہلی میں داخل ہوئیں اور مفسدین کے ساتھ شامل ہوگئیں۔

مرادنگر، رُہتک، علیگڑھ، ہانسی، متھرا، گڈھی، ہرسرو، ترسیلی ان مقامات کے سرکاری خزانوں کو مفسدین نے لوٹ لیا اور شاہی خزانہ میں داخل کردیا۔ بادشاہ کی طرف سے فی پیدل سپاہی ۴ر اور فی سوار ایک روپیہ یومیہ دیا جاتا تھا مجکو یہ نہیں معلوم کہ سرکاری خزانوں سے کس قدر روپیہ آیا لیکن ۱۸ر جون کو شاہی خزانہ میں ایک لاکھ اُنیس ہزار روپیہ موجود تھا۔

شہزادے شاہی فوج کے افسر مقرر ہوئے تھے۔ مجھے ان عیش کے بندوں پر رحم آتا تھا بعض وقت ان بچاروں کو ٹھیک دوپہر میں شہر سے باہر جانا پڑتا تھا تو مصیبت آجاتی تھی۔ توپ بندوق کی آواز سے دل دھڑک اُٹھتا تھا اس پر لطف یہ کہ آئینِ حکمرانی سے بالکل ناواقف۔ سپاہی ان کی ناواقفی پر قہقہہ لگاتے تھے بلکہ بعض اوقات تو ان کی بدنظمی کے باعث بدزبانی سے پیش آتے تھے۔ فوج کے لیئے بادشاہ شیرینی وغیرہ میدانِ جنگ میں بھیجتے تھے تو یار لوگ راستہ ہی میں مالِ غنیمت سمجھکر چٹ کرجاتے تھے۔ شاہی فوج کی شجاعت و بہادری اور بھی قابلِ تعریف تھی حقیقت میں وہ بڑے دانا تھے جب ان کا جی چاہتا کہ میدانِ جنگ سے واپس آجائیں تو پھٹے پُرانے کپڑے پیروں پر زخم کے بہانے سے باندھکر لنگڑاتے اور ہائے وائے کرتے ہوئے واپس چلے آتے تھے۔

۳۰ر جون کو رات کے وقت پل ہینڈن پر مفسدین بالکل حواس باختہ ہوگئے تھے اکثر سپاہیوں نے اپنی تلواریں اور بندوقیں کنوؤں میں ڈال دی تھیں اور منتشر ہوکر جنگلوں اور دیہاتو نکی

طرف بھاگ گئے تھے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ انگریزی فوج ان کا تعاقب کرتی چلی آرہی ہے اگر اس دن انگریزی فوج آجاتی تو دہلی پر اسی دن قبضہ ہو جاتا اس لیئے کہ یہ منتشر سپاہ دوسرے روز شہر میں واپس آئی۔ اکثر ان میں سے لاپتہ ہو گئے۔ راستہ میں گوجروں نے ان کو خوب لوٹا۔ چنانچہ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس ایک حبہ نہ تھا۔

بادشاہ کا حکم شاذونادر ہی مانا جاتا تھا اور شہزادوں کو تو کوئی پوچھتا تک نہ تھا کہ تم ہو کس مرض کی دوا۔ سپاہ بالکل بے سری ہو گئی تھی۔ نہ بگل کو مانتے تھے نہ افسروں کی سنتے تھے اور نہ اپنا متعلقہ کام انجام دیتے تھے۔ فوج کی گنتی تو ایک طرف رہی کبھی وردی بھی نہیں پہنی۔

رئیس شہزادے اور بیگمات اپنی گزشتہ خوش باشیوں کا افسوس کرتے تھے شہزادے فوج کی زبان نہ سمجھتے تھے۔ اور بغیر مترجم کے گفتگو نہ کرسکتے تھے۔

شل کے گولوں سے شہر کے مکانات اکثر منہدم ہوگئے قلعہ کے دیوانِ خاص میں جو تختت سنگِ مرمر کا بچھا ہوا تھا چور چور ہو گیا۔

دہلی کا انگریزی مدرسہ پہلے ہی دن لوٹ لیا گیا تھا اور انگریزی کتابیں گلی کوچوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ جو انگریزی بولتا تھا تو سپاہی اسکی خوب مرمت کرتے تھے اور قید کر دیا کرتے تھے۔

میگزین ۱۱ مئی کو پھٹا تھا۔ اس کے سبب سے قرب وجوار کے بہت سے مکانات کو صدمہ پہنچا تھا قریب پانچسو آدمی اسکے صدمہ سے مر گئے لوگوں کے مکانوں میں اس قدر گولیاں گری تھیں کہ لڑکوں نے آدہ آدہ سیر اور بعض لڑکوں نے سیر سیر بھر چُن لیں۔

اس کے بعد مفسدوں اور شہر کے باشندوں نے میگزین کو خوب لوٹا جس قدر ساز وسامان ٹوپی بندوق تلوار اور سنگین لے سکے اُٹھا کرلے گئے۔

خلاصیوں نے اپنے گھروں کو عمدہ عمدہ ہتھیاروں اور سامان سے خوب بھر لیا اور روپیہ کے تین سیر کے حساب سے تول تول کر بیچ ڈالا۔

تانبے کی چادریں روپیہ کی تین سیر فروخت ہوتی تھیں بندوقوں کی قیمت بہت سے بہت

آٹھ آنہ تھی مگر خوف سے کوئی خریدتا نہیں تھا۔ ابھی سے ابھی انگریزی کرچ ہر کو بھی گراں سمجھی جاتی تھی اور سنگین تو ایک آنہ میں بھی بہت مہنگی تھی۔ توزدان اور پرتلے اس کثرت سے تھے کہ ان کے لوٹنے والوں کو بیچتے وقت ایک حبہ نہیں ملا یعنی کسی نے خریدا ہی نہیں مجنوں کے ٹیلے میں جس قدر بارود تھی اس میں سے نصف تو گوجر وغیرہ لوٹ لے گئے اور نصف شہر میں آگئی۔

تیسرا افسانہ

میگزین کی حفاظت کے متعلق کنڈکٹر بیگلی اور دوسرے انگریزوں کا اوپر ذکر آچکا ہے ذیل کی چٹھی سے معلوم ہوگا کہ بیگلی صاحب پر میگزین کے اُڑنے اور بھاگنے کے بعد کیا گزری۔

صاحب موصوف نے میگزین سے نکلتے ہی یہ کارنمایاں کیا کہ رابرٹ صاحب کی میم کو مع چار سالہ لڑکے کے دریا پار کرایا۔ اس میں یہ دقت تھی کہ صاحب موصوف کے ہاتھ پر میگزین کی لڑائی میں ایسا سخت زخم آیا تھا کہ وہ ہاتھ بالکل بیکار ہوگیا تھا۔ دریا عبور کرنے کے بعد پانچ چھ زخم اور آئے تھے۔ کیونکہ جمنا پار مفسدوں نے انہیں گھیر لیا اور تمام بدن کے کپڑے سوا قمیص کے سب چھین لیے گئے۔

دہ بارہ دن کی آوارہ گردی کے بعد لفٹننٹ ریز صاحب مع ان کے عیال و اطفال کیساتھ میرٹھ پہنچے ریز صاحب سے بظاہر وہ ایک دن کے بعد گئے تھے بیگلی صاحب کی ملاقات ریز صاحب سے ایسی ہی حالت میں ہوئی کہ مفسدین نے جو کچھ ان کے پاس تھا سب چھین لیا تھا اور ان کو گھیر رکھا تھا۔ ریز صاحب اور ان کی میم صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ اگر اس شخص یعنی خبر دینے والے کا شجاعانہ اور دلیرانہ طریق کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو وہ کبھی صحیح و سالم میرٹھ نہ پہنچ سکتے۔ کیونکہ اس نے کئی مرتبہ اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ مفسدین میں سے ایک شخص نے ان کی گردن پر پاؤں بھی رکھ دیا کہ سر تن سے جدا کردے مگر جب اُنہوں نے یہ کہا کہ میں اپنے سر کو اس نیت سے قربان کرتا ہوں کہ میری جان لینے کے بعد تم ان عورتوں کی بے پردگی اور بے ستری نہ کروگے۔

تو اس بات سے مفسدین کو رحم آیا اور انہوں نے چھوڑ دیا۔

اس سے زیادہ شجاعت و بہادری کا کام یہ کیا کہ صرف چھ روز اسپتال میں رہے تھے کہ برگیڈیر ولسن صاحب دہلی جانے لگے۔ ان کو خبر ہوئی تو یہ بھی برگیڈیر صاحب کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ مجھکو ہمراہ لے چلیے۔ مگر چونکہ زخم ابتک ہرے تھے اس لیئے برگیڈیر صاحب نے درخواست نامنظور کردی تاہم ہم نے سُنا ہے کہ وہ صرف ۹ دن اسپتال میں رہے اور دسویں دن توپخانہ اور سامانِ جنگ جو میرٹھ کی فوج کے واسطے جارہا تھا اس کے ساتھ ہوگئے اور مقام پل ہینڈن پر پہنچکر فوج کے ہمراہ دہلی کی چھاؤنی میں داخل ہوگئے اور ۱۷ جون تک فوج کے ہمراہ رہے اس درمیان میں تین مرتبہ ان کو سرسام ہوا۔ دو مرتبہ راستہ میں اور ایک دفعہ مورچال چھاؤنی میں جہاں وہ ضروری کاموں میں مشغول تھے تیسری مرتبہ سرسام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اوّل تو جسم نحیف وکمزور پھر دن بھر آفتاب کی تیزی میں سخت کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ الغرض ۱۷ کو وہ میرٹھ واپس کیئے گئے۔ مگر یہ واپسی ان کی مرضی کے خلاف تھی۔ ان صاحب نے ۲۶ برس تک سرکار کی خدمت کی اس عرصہ میں ۱۷ سال تک صرف میگزین کا کام کیا۔ اور جو کچھ مال واسباب تھا وہ سب برباد کردیا۔ زیادہ افسوس یہ کہ ان کی میم صاحب اور تین بچے بھی اسی ہنگامۂ غدر میں ضائع ہوئے۔

چوتھا فسانہ

ڈاکٹر ایس۔ ایچ ہبٹسن صاحب بیس پچیس روز تک ہندوستانیوں میں حیران وسرگردان پھرتے رہے اور ہر طرح کی تکلیفیں اور بے عزتی اس عرصہ میں اُنہوں نے اُٹھائی تین چار مرتبہ تو ایسا ہوا کہ وہ اپنے تئیں قریب المرگ سمجھنے لگے۔ بھاگنے اور سفر کے وقت جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں ان پر پڑیں اس کے متعلق خود ان کا بیان ذیل میں درج

کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ نہایت توجہ اور شوق سے پڑھا جائیگا۔

دہلی کی پہاڑی پر جو برج ہے اس میں تمام میمیں جمع ہو گئی تھیں جب خوف اور خطرہ ظاہر ہوا تو میں برگیڈیر گریوسن صاحب کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اگر آپ گورہ فوج کی کمک اور مدد طلب کرنے کے لیئے چھٹی لکھیں تو میں اسے لیکر میرٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ صاحب موصوف نے فوراً چھٹی لکھکر میرے حوالہ کردی۔ میں اپنے بال بچوں اور دوسری میموں سے مل ملاکر اپنے بنگلہ پر آیا اور فقیرانہ لباس پہنکر اور ہاتھ پاؤں رنگ کر شہر میں ہوتا ہوا دریا کے پل تک پہنچا مگر خوبی قسمت دیکھیئے کہ وہاں پل ٹوٹا ہوا تھا۔ ناچار اس نیت سے چھاؤنی واپس آیا کہ میگزین سے قریب جو راستہ ہے اس طرف سے دریا عبور کرنا چاہیئے۔ مگر اس عرصہ میں رسالۂ سوم کے سوار چھاؤنی میں پہنچ گئے تھے اور جاٹ و گوجر چھاؤنی کے قرب وجوار کے دیہاتوں کو جوق جوق لوٹنے کے واسطے چلے آرہے تھے۔ صاحب لوگوں کے بنگلوں کو آگ لگ چکی تھی۔ میں یہ حال دیکھکر میرٹھ پہنچنے سے مایوس ہو گیا اور پریٹ کے میدان سے آگے بڑھا۔ اس اثنا میں دو سپاہیوں نے مجھ پر گولی چلائی اور میں بچ گیا۔ میں ابھی اس باغ تک پہنچا تھا جو شہر سے متصل ہے کہ گاؤں والوں نے مجھے گرفتار کرلیا اور میرے سب کپڑے چھین لیئے۔ میں وہاں سے مادرزاد برہنہ اس خیال سے کرنال کی طرف روانہ ہوا کہ شاید ان لوگوں (انگریزوں) میں سے جو کرنال جارہے ہیں راستہ میں کوئی مل جائے۔ مگر میں ابھی ایک ہی میل گیا ہونگا کہ دو سپاہی نمودار ہوئے جو اور انگریزوں کا تعاقب کر رہے تھے مگر کوئی ان کے ہاتھ نہ لگا تھا۔ بہر حال وہ میرے پاس آئے اور ننگی تلواریں لیکر کہنے لگے تو فرنگی ہے مگر میں نہایت عاجزی سے ان کے سامنے گر پڑا۔ اور چونکہ میں مذہب اسلام اور ہندی زبان سے واقف تھا اس لیئے میں نے پیغمبر محمدؐ کی تعریفیں شروع کردیں اور کہا کہ اگر تم یقین رکھتے ہو کہ امام مہدی انصاف کے لیئے آئیں گے تو مجھ بے گناہ کو نہ مارو

نیز دوسرے مسائلِ مذہبی اور اخلاق بیان کیئے مگر اس پر بھی ایک نے تلوار کا وار مجھ پر کیا مگر
میں ان کے سامنے زمین پر گر پڑنے سے وار بچا گیا۔ اور چونکہ وہ سوار تھے اسلیئے اُن کی تلواریں
مجھ تک نہ پہنچ سکیں اور میرے عجز و انکسار کی باتوں نے کچھ اثر کیا اور یہ کہکر مجھ کو چھوڑ دیا کہ اگر آنحضرتؐ کے
نام پر تو پناہ نہ مانگتا تو تو بھی اور کافروں کی طرح نہ بچتا۔ اب میں بہت گھبرا رہا تھا۔ مجھ میں کھڑے رہنے
کی بھی طاقت نہ تھی۔ مگر چونکہ چلنا ضروری تھا اس لیئے ناچار میں وہاں سے آگے روانہ ہوا، تقریباً
ایک میل اور چلا ہوں گا کہ بہت سے مسلمان نظر آئے اور وہ سب میری طرف بھاگ کر آئے اور
مجھے دیکھکر کہنے لگے کہ یہ فرنگی ہے کافر کو مار ڈالو اور میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم فرنگیوں نے
یہ چاہا تھا کہ ہم سب کو کرسٹان کر ڈالیں۔ یہ کہکر مجھے کشاں کشاں ایک گاؤں میں لے گئے جو
ایک میل یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا۔ اور میرے بازو پشت سے باندھ دیئے۔ اسکے
بعد اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ کریم بخش جاؤ اور اپنی تلوار لے آؤ ہم اس کافر کا سر کاٹیں گے
کریم بخش گیا اور جب تک تلوار لاوے گاؤں سے ایک آواز آئی کہ دھاڑ ہے دھاڑ ہے۔ یہ سنکر جتنے
مسلمان میرے پاس تھے سب اپنی اپنی فکر کرنے چلے گئے وہ اُدھر گئے اور میں موقع کو غنیمت سمجھکر
بے تحاشا بھاگا اس طرح ان بیرحموں سے نجات پائی۔ راستہ پر آکر میں کرنال کی طرف بھاگا۔
مگر راستہ میں پھر مجھے چند آہنگر جو دہلی کے میگزین میں ملازم تھے مل گئے اور مجھ کو گھیر لیا۔ مگر ان
میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور کہا صاحب خوف نہ کرو اور میرے ساتھ گاؤں میں
چلو وہاں آپ کے کھانے پینے کی فکر کروں گا اور اگر تم آگے جاؤ گے تو اُن مسلمانوں کے ہاتھ سے جو لوٹنے
اور فرنگیوں کے مار ڈالنے کے ارادہ سے باہر گئے ہیں یقیناً مارے جاؤ گے چنانچہ ان آہنگروں کے ساتھ میں انکے
گاؤں گیا۔ فی الحقیقت اُنھوں نے میری بہت خاطر تواضع کی کسی نے پہننے کو دھوتی دی کسی نے ٹوپی دی
کسی نے دودھ پلایا کسی نے روٹی کھانے کو دی۔ غرضکہ میں یہاں سمجھا کہ ابھی زندگی کے کچھ
سانس باقی ہیں مگر میں اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ مجھ سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ مجھے
انہوں نے چارپائی دی میں اس پر لیٹ گیا۔ مگر مجھے نیند نہ آئی میں نے ان آدمیوں سے

کہاکہ میں ڈاکٹر ہوں یہ سنکر ان لوگوں نے میری اور بھی خاطر مدارات کی دوسری صبح کو گاؤں کے چودھری نے مجھکو بلوایا تو تمام گاؤں فرنگی ڈاکٹر کے دیکھنے کے لیئے اکٹھا ہو گیا۔ ہرچند میں تھکا ماندہ تھا مگر گاؤں والے جو کچھ مجھ سے پوچھتے تھے میں اس کا شافی جواب دیتا تھا خصوصاً جب اُنہوں نے دیکھا کہ میں ان کے مذہب اور رسوم سے پوری واقفیت رکھتا ہوں تو بہت زیادہ میرے زندہ رکھنے کا خیال کرنے لگے چنانچہ وہ علانیہ کہتے تھے کہ ہم حتےٰ المقدور تم کو بچائیں گے میں اس گاؤں میں رہتا تھا کہ میں نے سُنا کہ قریب کے کسی گاؤں میں ڈاکٹر ووڈ صاحب موجود ہیں۔ اس گاؤں کا نام سمیع پور ہے اس گاؤں کے ایک آدمی نے مجھسے آکر کہاکہ میرے گاؤں میں ڈاکٹر ووڈ صاحب نامی ہیں اُنکو کچھ دوائیں مطلوب ہیں۔ تم سب ہندوستانی دوائیں جانتے ہو براے مہربانی بتاؤ کہ ان کو کیا دیا جائے میں نے ایک نسخہ لکھدیا مگر مجھے معلوم نہیں کہ دوا ان کے پاس پہنچی یا نہیں۔ میں اس گاؤں میں مقیم تھا کہ کرنیل ریلی صاحب کی خبر میرے پاس پہنچی کہ صاحب موصوف برف خانہ کے قریب جو پریڈ کے میدان کے متصل ہے مجروح وخستہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سُنکر میں نے گاؤں والوں سے کہاکہ صاحب بہت بڑے نامی ہیں اگر تم ان کے واسطے کھانا پانی لیجاؤ گے تو سرکار اس خدمت کے عوض میں تمکو بہت سا انعام دیگی۔ چنانچہ گاؤں والے سات روز تک برابر کھانا لے گئے۔ مگر جب میں اس گاؤں سے روانہ ہوا تو کوئی دس روز کے بعد میں نے سُنا کہ کرنیل صاحب موصوف کو کسی سپاہی نے برف خانہ کے پاس قتل کر ڈالا۔

مجھے اس موضع باوری میں قیام پذیر ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ بات عام طور سے مشہور ہوگئی کہ جس قدر انگریز میرٹھ انبالہ اور کلکتہ میں تھے سب قتل ہو گئے اور شاہ دہلی کی حکومت قائم ہوگئی۔ اگر کوئی شخص کسی فرنگی کو اپنے گھر یا گاؤں میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ قتل اور اس کا گاؤں جلا کر ویران وبرباد کر دیا جائیگا۔ یہ سنکر گاؤں والے گھبرائے اور مجھکو رات کے وقت نکال کے ایک آموں کے باغ میں چھوڑ آئے وہاں میں شب وروز رہتا تھا۔ رات کو کوئی نہ کوئی گاؤں والا مجھے کھانا پانی دے جاتا تھا ایسے نازک وقت میں جو کچھ مجھپر گزرتا تھا بیان سے باہر ہے۔ دن بھر آفتاب کی شدت

گرمی میں رہتا تھا۔ اور رات تنہائی میں گزرتی تھی۔ اور اکثر گرد و پیش گیدڑ وغیرہ چلا یا کرتے تھے جو جو مصیبتیں میں نے جھیلی ہیں میں جانتا ہوں یا پھر خدا کو معلوم کہ کیا کیا تکلیفیں میں نے اُٹھائیں۔ پانچ دن کے بعد اس باغ میں سے پھر مجھے گاؤں میں لے گئے اور وہاں بھوسہ کی ایک کوٹھری میں مجھے پوشیدہ کر دیا۔ میں اس تنگ و تاریک کوٹھری میں ۲۴ گھنٹے تک رہا اس میں جس قدر گرمی تھی اور دل گھبراتا تھا اس کا حال زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کونسی مصیبت زیادہ سخت تھی۔ آیا باغ کی تنہائی یا اس بھوسہ کی کوٹھری کی۔

اس کے بعد ایک اور خبر مشہور ہوئی کہ فرنگیوں کی تلاش کے واسطے سوار مقرر ہوئے ہیں کہ وہ ہر ایک گاؤں میں جاکر تلاش کریں۔

اب مصلحت یہ قرار پائی کہ میں ایک جوگی فقیر کے ساتھ اس گاؤں سے کہیں اور چلا جاؤں چنانچہ وہ فقیر میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ تم جہاں کہو گے میں تم کو وہاں پہنچا دوں گا۔ مگر اب تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے میں اس وقت جوگی کے ساتھ روانہ ہو کر مقام بسوہہ میں گیا اور تمام رات وہاں بسر کی۔ اس فقیر نے میرے تمام کپڑے اپنے دوست کے گھر میں جاکر رنگے اور مجھکو مالا اور رداچہ پہننے کو دیا تاکہ جوگی فقیر اور میری صورت میں کچھ فرق نہ رہے جب فقیر کا سب سامان درست ہوگیا تو میں نے اس جوگی کے ساتھ پھیری شروع کی وہ مجھے کئی گاؤں میں لیگیا کہیں مجکو کشمیری کہیں اودہ پنتھی اور جوگی فقیر بتلاتا رہا جس گاؤں میں میرا گزر ہوا وہاں کے لوگوں نے کچھ نہ کچھ مجھ سے پوچھا چونکہ میں ان کا جوتش اور نجوم وغیرہ جانتا تھا اس لیئے جو جس نے پوچھا میں نے اس کا شافی جواب دیا اس وجہ سے میری خاطر تواضع اور بھی زیادہ ہونے لگی۔ کوئی پیسہ دیتا تھا۔ کوئی کھانا میرے واسطے لاتا تھا۔

اس گاؤں سے روانہ ہو کر ایک اور گاؤں میں پہنچے وہاں سیوک داس مہنت کبیری فقیر رہتا تھا اس کے پاس گئے میں اس کے مذہب سے بھی واقف تھا۔ کچھ کتابیں جو میں نے پڑھیں تو وہ میرے حال پر بہت مہربان ہوگیا۔ اور اس کے دریافت کرنے پر میں نے اس سے کہا کہ میں کشمیری ہوں مگر اس نے کہا کشمیری بھوری آنکھ والا نہیں ہوتا اس نے کہا کہ تمہاری زبان، او وضع و اطوار اور کپڑے

سب درست اور ٹھیک ہیں مگر تمہاری آنکھیں تم کو چھپنے نہیں دیتیں تم یقیناً فرنگی ہو میں نے صاف ظاہر کر دیا مگر چونکہ کبیر کے اقوال میں نے اس کے سامنے پڑھے اور قول و قسم دے چکا تھا اس لیئے مجھ سے وہ بہت مہربانی سے پیش آیا تھا۔ میں اسی فقیر کے یہاں تھا کہ ایک سپاہی آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس انبالہ کی فوج کے واسطے (جو بالفعل مقام لانی میں ٹھہری ہوئی ہے) کچھ چٹھیاں ہیں میں یہ وہاں لیجاؤں گا۔ اس نے مجھکو نہیں پہچانا کہ یہ بھی فرنگی ہے مگر میں نے اس سے کہا کہ میں ڈاکٹر ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری چٹھی فوج مذکور کے کمان افسر کے پاس پہنچا دو اس نے اقرار کیا اور میں نے چٹھی لکھکر دیدی۔ دن بھر اس چٹھی کی وجہ سے انتظار رہا مگر جب اس کا کوئی جواب نہ آیا اور نہ کمک آئی تو اب میں نے مصلحت اس میں دیکھی کہ میرٹھ چلنا چاہیئے جس جوگی فقیر کے ساتھ میں یہاں تک آیا تھا اس نے میرٹھ چلنے کا وعدہ بھی کیا۔ اس گاؤں کے اکثر آدمی میرے ساتھ ہرچند پور تک گئے۔ جہاں ایک زمیندار فرانسس کوہن صاحب نامی رہتے تھے۔ یہ پہلے تحصیلدار تھے۔ یہ بزرگ آدمی میرے ساتھ ازحد مہربانی سے پیش آئے اور مجھکو وہ چٹھیاں دکھلائیں جو کرنیل نیوٹ کپتان سالگیڈ صاحب نے لکھکر دی تھیں کہ "انہوں نے مجھکو بہت آرام پہنچایا اور ہماری بڑی خاطر مدارات کی اور بحفاظت میرٹھ تک پہنچا دیا۔

یہ چٹھیاں دیکھکر میں نے بھی میرٹھ جانے کی تجویز کی۔ اس عرصہ میں ایک چٹھی میرے نام موضع کیکرا سے اس مضمون کی آئی کہ راجہ چھند کے سو سوار کپتان میک اندور کی سرکردگی مقام کیکرا میں تیرے منتظر ہیں اور وہ مجھے مقام رائی جہاں بڑا ڈیرہ ہے پہنچا دینگے چنانچہ کوہن صاحب نے مجھے اپنی گاڑی پر سوار کرا کر کیکرا روانہ کر دیا۔ یہاں تک پہنچکر کپتان میک اندور اور لفٹنٹ ہیو صاحب کو دیکھکر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور جان میں جان آئی۔

میں پچیس روز تک دیہاتوں جنگلوں اور ویرانوں میں سرگرداں مارا مارا پھرتا رہا اگر مجھے ہندوستانی زبان نہ آتی ہوتی اور میں اس قدر صفائی اور خوبی کیساتھ نہ بول سکتا تو میں بھی کہیں نہ کہیں قتل کر دیا جاتا۔ میں ہندوستانی زبان ایسی ہی صاف بولتا ہوں جیسے انگریزی۔ میں اپنی جان بری کو ایک اعجاز

اور فضل الٰہی کا نتیجہ سمجھتا ہوں مگر جو تکلیف اور مصیبتیں میں نے برداشت کی ہیں اُن کا بیان مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

پانچواں فسانہ

ایک گروہ جس میں بہت سے افسر اور میمیں تھیں دہلی سے بھاگنے اور میرٹھ جانے کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔ پہلے یہ ارادہ تھا کہ پہاڑی پر جو برج ہے اس میں قلعہ بند ہو کر مفسدین کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر اب یہ بات بیکار سی نظر آئی کیونکہ کوئی فائدہ نہ تھا اس لیے بھاگنے کی رائے طے پائی۔ جب روانگی شروع ہوئی تو ۳۸ اور ۷۴ رجمنٹ کے سپاہی بھی روانہ ہو گئے۔ تھوڑے سے سپاہی افسروں کے پاس جھنڈے کے قریب باقی رہ گئے۔ میموں کی گاڑیاں کرنال روانہ ہوئیں۔ افسروں کو سپاہیوں نے یہ صلاح دی کہ فوراً فرار ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ جبراً ان کو وہاں سے بھگا دیا۔ اس لئے کہ اس مقام پر بھی شہر سے مفسد آنے والے تھے یہ شام کا وقت تھا۔ تاریکی زمین پر پھیل رہی تھی کہ چاروں طرف سے بندوقوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں اور چھاؤنی کے اکثر بنگلوں میں آگ لگ گئی جسکی روشنی دور دور تک پہنچ رہی تھی اب سوائے بھاگنے کے کوئی تدبیر بچنے کی باقی نہ رہی جو افسر وہاں باقی رہ گئے تھے اُنہوں نے بھی دوبارہ انتظام قائم کرنا بے سود اور فضول سمجھکر جگہ چھوڑ دی کیونکہ جو لمحہ ان پر گزرتا تھا زیادہ خوفناک ہوتا جاتا تھا غرضکہ وہاں سے بحالت زار بھاگے اور سرگرداں رات بھر جنگلوں میں پھرتے رہے کبھی تھک کر زمین پر لیٹ جاتے تھے کہ شاید نیند آجائے کبھی جان کے خوف سے اُٹھ بیٹھتے تھے۔ غرضکہ بہزار خرابی رات کاٹی صبح کو مفسدین سپاہی ان کے گرد و پیش منڈلاتے نظر آئے مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ جگہ معلوم نہ ہوئی جہاں یہ سب صاحب لوگ تھے۔ جب کوئی نظر نہ آیا تو ناچار سپاہی تلاش کی غرض سے آگے بڑھے۔ یہ افسر لوگ جہاں ٹھہرے تھے اس کے قرب و جوار کے لوگوں کے بہت شکر گزار ہیں کیونکہ گاؤں والوں نے ان کی بہت خدمت کی تھی اور بہت کچھ آرام پہنچایا تھا کسی نے کھانا کھلایا۔ کسی نے اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا۔ رات بھر جو صاحب جدا رہے تھے وہ آملے اور جو رات بھر ساتھ رہے تھے صبح کو جدا ہو گئے۔ گاؤں والوں نے ان انگریزوں کو جنگلی

حفاظت کا اُنہوں نے ذمہ لیا تھا دریائے جمنا کے ایک نالے کو عبور کرا کر جنگل میں ایک محفوظ مقام میں چھپا دیا اور تیسرے پہر آ کر اُن کو خبر دی کہ ایک گروہ انگریزوں کا جس میں میمیں بھی ہیں قریب ہی کسی جگہ مقیم ہے۔ یہ گروہ وہ تھا جو کشمیری دروازہ سے بھاگا تھا۔ اور جب وہاں امن نظر نہ آیا تو میموں کو توپ کی بیٹی پر سوار کرا کر چھاؤنی بھیجا تھا اور مفسدین نے ان کو راستہ میں لوٹ لیا تھا بلکہ گولیاں بھی ان پر ماری تھیں اسکے بعد یہ لوگ خندق میں اُتر کر دوسری جانب سے چڑھکر فرار ہو گئے تھے انہی میں سے ایک میم کے شانے پر گولی کا زخم بھی لگا تھا۔ غرضکہ وہاں سے بھاگ کر تمام رات یہ گروہ بھی حیران و سرگردان رہا۔ کئی دفعہ سپاہیوں کے ہاتھ سے بمشکل تمام بچے بلکہ بعض وقت تو مفسد سپاہی ان لوگوں کی تلاش میں ایک گولی کی زد تک پہنچ گئے مگر خدا کی قدرت کہ ان کے پنجۂ ظلم میں یہ گرفتار نہیں ہوئے۔

غرضکہ دونوں گروہ یکجا ہو کر چلے اور ایک دوسرے کی ملاقات سے کچھ تسکین ہوئی اور چونکہ اب آدمی زیادہ ہو گئے تھے اس لیے اپنی طاقت پر اطمینان کر کے آگے روانہ ہوئے وہ دو یا تین میل تک دریائے جمن کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ اس کے بعد ایک نالے پر پہنچے جسکو عبور کرنا بہت دشوار تھا لیکن وہ گردن تک گہرا تھا اور اس زور سے بہتا تھا کہ پاؤں اُکھڑے جاتے تھے۔ چنانچہ تھوڑی دور تک وہ سب بہتے ہوئے چلے گئے۔ آخر بمشکل قدم جما کر دوسرے کنارے تک پہنچے۔

اب شام ہو گئی تھی اور نالے میں گھسنے کی وجہ سے سخت سردی لگ رہی تھی دوسری صبح کو پھر گاؤں والے ان کے دوست بنے اور ایک مقام پر جہاں درخت بہت تھے جا کر ٹھہرایا مگر تھوڑی دیر کے بعد ان سے کہا کہ یہاں رہنا مناسب نہیں کیونکہ مفسد سواروں کے گروہ ان کے درپے ہیں اور تلاش کر رہے ہیں۔ یہاں سے روانہ ہوئے تو گوجروں کے ایک گروہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ جنکے فاسد ارادے بہت جلد ظاہر ہو گئے۔ چونکہ ان لوگوں کی بندوقیں وغیرہ پانی سے تر ہو گئیں تھیں اسلیئے گوجروں کا مقابلہ نہ ہو سکا اور ناممکن و بے سود معلوم ہوا۔ گوجروں نے سخت بیہودگیاں کیں اور نہایت سختی کے ساتھ تمام ہتھیار اور دوسرا اسباب چھینکر بلکہ پہننے کے کپڑے تک اُتروا کر لیے ہو گئے۔ یہ گوجر کمبخت ان کی جان بھی نہ چھوڑتے مگر ایک فقیر نے سمجھا بجھا کر ان کی جان بچائی اب

ان کے پاس ستر چھپانے کے سوا کوئی کپڑا جسم پر باقی نہ تھا۔ اسی حالت میں آفتاب کی گرمی میں جلتے پھنتے شام کو ایک گاؤں میں پہنچے یہ گاؤں برہمنوں کا تھا، اس میں ایک فقیر کے تکیہ پر جا پڑے اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے، یہاں اپنے محافظوں کے ہاتھ سے بہت آرام پایا ان لوگوں نے بے انتہا خاطر مدارات کی، یہاں تک کہ ایک جراح بھی ان کے زخموں کے صاف کرنے کے لیئے پہنچایا۔ اور جو دوا گاؤں میں مل سکتی تھی سب مہیا کی۔ اس گاؤں سے ایک دوسرے گاؤں میں اسکے زمیندار کی حسب خواہش چلے گئے۔ یہ زمیندار نسلاً جرمن تھا۔ وہاں ان لوگوں کو یہاں سے زیادہ آرام ملا رہنے کے لیئے مکان اور کھانے کپڑے کا اچھی طرح سے انتظام کردیا۔ اس رات کو زیادہ اطمینان ہوا کیونکہ میرٹھ سے سواروں کا ایک سالہ جو چٹھی بھیجکر اُنہوں نے طلب کیا تھا ان کے پاس آ گیا۔ زمیندار نے سواریاں کردیں اور آٹھویں روز یہ سب لوگ اپنی اصلی صورتوں میں میرٹھ پہنچ گئے۔

چھٹا فسانہ

ڈاکٹر بالفور صاحب دہلی سے اپنے بھاگنے کا حال یوں بیان کرتے ہیں :-

جب یہ طے ہو گیا کہ شہر دہلی اب چھوڑ دینا چاہیئے تو لیباس صاحب نے اپنی بگھی مجھکو دی میں نے اپنی بہن مس اسمتھ کو اپنے پاس بٹھایا اور راستہ سے لفٹنٹ طامس انجینیر اور میم ڈانش مع فریزر صاحب کے بچے کے جو اس وقت موصوف کی گود میں تھا سب کو بگھی میں بٹھا کر کرنال کی طرف روانہ ہو گئے۔ لفٹنٹ طامس صاحب نے کہا بہتر یہ ہوگا کہ نہر کے پار ہو کر اس تھانہ پر چلیں جو راستہ میں ہے وہاں پہنچکر جدھر کی صلاح ہوگی روانہ ہونگے۔ چنانچہ ہمنے ایسا ہی کیا اور چھوٹے تھانہ تک پہنچے۔ دوسرے روز صبح کو ہم ابھی چلنے کی صلاح ہی کر رہے تھے کہ موضع ادہر کا زمیندار جو قوم سے جاٹ تھا ہمارے پاس آیا اور کہا کہ ہم نے دہلی کے قتل و فساد کا حال سُنا ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو امن و حفاظت میں ہم تمہیں رکھ سکتے ہیں۔ میں نے سب کو صلاح دی کہ اسکو قبول کرنا چاہیئے چنانچہ رات کے وقت ہم سب اسکے ساتھ گاؤں میں گئے اور وہاں سے ہمکو چار پانچ روز

تک رکھا اور بے حد خاطر داری اور تواضع کی۔ آخر جب کسی فوج کی آمد کی خبر نہ سنی تو اُنہوں نے ہمکو مشورہ دیا کہ نہر کے کنارے کنارے کرنال چلنا مناسب ہے، چنانچہ اُنہوں نے ہماری رہنمائی کی اور گاؤں کے مفسدوں سے ہماری حفاظت کا بندوبست کیا اور ہر طرح خاطرداری میں مشغول رہے اور اس قدر ہم لوگوں کی خدمت کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم اسکا عوض نہ دے سکیں گے۔ غرضکہ ہم امن وامان اور حفاظت کے ساتھ کرنال پہنچ گئے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر یہ سُنکر بہت خوش ہونگے کہ یہ حصّہ ملک جس میں سے ہم گزر رہے تھے۔ اس میں زیادہ آدمی ہماری سرکار کے خیر خواہ اور وفادار تھے اور ایسے سخت بلوہ میں بھی وفادار رہے صرف گوجروں کی قوم البتہ سرکشی اور فساد کرتی تھی جو بڑی سڑک کے متصل رہتے سہتے ہیں۔

ایک میم صاحبہ جن کا ذکر ڈاکٹر بالفور صاحب کی چٹھی میں آچکا ہے اپنے بھاگنے کا حال اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

ساتواں فسانہ

۱۱ رمئی دوشنبہ کے دن صبح کے وقت میں ایک دوست کی ملاقات کو جو میگزین کے پاس رہتے تھے گئی جب اول اول یہ خبر سُنی کہ مفسدوں کا گروہ میرٹھ سے آتا ہے تو مجھے اور دوسری میم صاحبوں کو یہ صلاح دی گئی کہ ہم سب میگزین میں جاکر پناہ گیر ہو جائیں گے۔ مگر میں وہاں نہ گئی اور اپنی والدہ کے گھر میں جو قریب ہی تھا چلی گئی اور ان سے اس فساد کا ماجرا بیان کیا اور نوکروں سے کہا کہ اس بات کی ٹھیک ٹھیک خبر لاؤ مگر اس وقت ان سب نے یہ کہا کہ یہاں کچھ اندیشہ نہیں اور یہاں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں پیدا ہو سکتی۔ کیونکہ دہلی کی حفاظت کا انتظام ہوشیاری سے کیا جاتا ہے اس عرصہ میں اور بھی کئی میم صاحبہ آکر جمع ہو گئیں۔ قریب نصف گھنٹہ کے گزرا ہوگا کہ نوکر نے شور وغل مچایا کہ مفسد آگئے اور مکانات لوٹ رہے ہیں اور گرجا گھر تک پہنچ گئے ہیں۔ چونکہ گرجا گھر ہماری کوٹھی کے احاطہ سے قریب تھا اب بھاگنا بھی ناممکن

ہو گیا ہمارے نوکروں نے ہم کو صلاح دی کہ ملازموں کے مکان میں جا کر چھپ رہیں۔ چنانچہ ہم سب ایک مکان میں جا کر چھپ گئے ہمارے چھپنے کے تھوڑی دیر بعد دوسو سوار احاطہ کے اندر آگئے اور اس مکان کے قریب آکر جس میں ہم سب چھپی ہوئی تھیں کھڑے ہوئے اور نوکروں سے دریافت کیا کہ صاحب لوگ اور میم صاحبان کہاں ہیں۔ تم اپنی جان کا خوف نہ کرو ہم تم میں سے کسی کو نہ ماریں گے۔ لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ سب عیسائیوں کو جو دہلی میں ہیں قتل کر ڈالیں۔ نوکروں نے جواب دیا کہ سب بھاگ گئے ہم کو معلوم نہیں کہ کہاں گئے۔ اگر تم کو خیال ہو کہ بنگلہ میں ہونگے تو تم خود جا کر تلاش کر لو۔ اس جواب سے کچھ ان کو اطمینان ہو گیا اور وہ وہاں سے باہر جا کر انگریزوں کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ہم رجمنٹ کے چھ سپاہی اور آگئے۔ ان کو وہ مکان جہاں ہم سب مخفی تھے معلوم ہو گیا۔ وہ خوب ہنسے اور قہقہہ اُڑانے لگے۔ بندوقیں دکھلا کر کہا ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ ہم نے بہت منت و خوشامد سے کہا کہ ہمیں مت مارو اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا باہر آؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔ پھر دیکھنا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم باہر نکلے اور ان کے ساتھ ہو لیئے وہ سب ہم کو گارد میں جہاں وہ رہتے تھے لے گئے اور افسروں کی لاشیں دکھا کر ہنسکر کہنے لگے کہ دیکھو یہ سب اس واسطے مارے گئے ہیں کہ کمانڈر انچیف صاحب نے ہمارے مذہب کے خراب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

اس کے بعد افسروں نے دیکھا کہ ہم نیچے سپاہیوں کے پاس کھڑے ہوئے ہیں تو وہ جلدی سے دوڑ کر ہمارے پاس آگئے اور سپاہیوں کو ہٹا کر ہم سے کہا اوپر جاؤ ہم سب وہاں گئے۔ وہاں پہنچکر ہم نے دیکھا کہ اکثر افسر موجود ہیں۔ وہاں ہم لوگ دس بجے تک بھوک پیاس کی سخت تکلیف میں رہے۔

میجر ایبٹ صاحب نے برج جھنڈہ والے پر کہلا بھیجا کہ توپ کی بیٹیاں بھیجدو تاکہ انپر میم صاحبوں کو سوار کر کے اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں برج مذکور تک پہنچا دیں۔ اسلیئے کہ یہاں کا

کچھ بھروسہ نہیں اور برج مذکور اس سے زیادہ محفوظ مقام ہے۔ تھوڑی دیر میں بیٹیاں مع توپوں کے آئیں ان کے ساتھ ۳۸ رجمنٹ کے کچھ سپاہی ساتھ تھے میجر ایبٹ صاحب نے بھی ہم سب کو ان پر سوار کراکے آپ خود اپنی کمپنی لیکر بڑھے اور حکم دیا کہ بیٹیاں ان کے ساتھ آویں۔ ۳۸ رجمنٹ کے سپاہی اس وقت تک خاموش کھڑے رہے جب تک کہ میجر صاحب کشمیری دروازہ سے باہر نہیں چلے گئے مگر جب وہ باہر چلے گئے تو دروازہ فوراً بند کرلیا اور ہم سے کہا کہ اگر تم ابھی اس پر سے نہیں اُترتیں تو ہم تم سب کو مار ڈالیں گے یہ سنتے ہی ہم بیٹیوں پر سے اُتر آئے مگر میری بہن نہ اُتر سکیں کیونکہ ان کی گود میں بچہ تھا اس نے سپاہیوں سے کہا ذرا صبر کرو میں لڑکا کسی کو دیکر اُترتی ہوں مگر جب اُنہوں نے دوبارہ اُترنے کو کہا تو اُس نے لڑکے کو میری گود میں ڈالدیا۔ اور آپ جھٹ کود پڑیں۔

اس عرصہ میں ۵۴ رجمنٹ کا ایک ڈرامبر آگیا اور میرا بازو پکڑ کر کہا کہ اگر زندگی چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو اور زبردستی ایک کھڑکی کے راستہ سے مجھے صدر بازار لے گیا راستہ میں میں نے بندوقوں کی آوازیں سنیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سپاہی ان افسروں کو جو بھاگ جانا چاہتے ہیں تعاقب کر رہے ہیں اور مار رہے ہیں چند افسر مقتول بھی ہو چکے ہیں۔

میرا ہمراہی بھی مجھے کپتان برڈ صاحب کے بنگلہ پر لے گیا اور مجھ سے کہا کہ یہاں ایک اور میم صاحبہ ہیں وہ تمہاری خبرداری رکھیں گی۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بھی جھنڈہ والے برج پر چلی گئیں۔ تب میں نے کہا کہ مجھے بھی وہیں پہنچا دو۔ اکثر سپاہی مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے مگر ایک نے مجھ سے کہا چلو میں تم کو بحفاظت پہنچا دوں۔ چنانچہ اس نے اپنا قول پورا کیا۔

میں برج میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ ٹھہری ہونگی کہ بھاگنے کا ارادہ مصمم ہو گیا۔ تمام سپاہی مفسد ہو گئے تھے۔ اور ان میں سے کوئی اپنے افسر کا حکم نہ مانتا تھا۔ چنانچہ جس کے جدھر سینگ سمائے چلا گیا۔ ڈاکٹر بالفور صاحب نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے اپنی گاڑی پر جگہ دی جس قدر جلد ممکن ہوا ہم سڑک چھوڑ کر بھاگے اور نہر کے کنارے ۲۵ میل تک بھاگا بھاگ چلے گئے۔ ۲۵ میل پر ایک

مقام کیا اور ایک گھنٹہ تک آرام کر کے پھر روانہ ہوئے اور ایک چوکی پر پہنچے جو اس مقام سے ۵ میل پر تھی جس قدر رات باقی رہ گئی تھی میدان میں کاٹی۔ اس مقام سے قریب ایک گاؤں تھا۔ یہاں سے نہر کا ایک ٹھیکہ دار آیا اور کہا کہ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

صبح کو اس نے ہم لوگوں کو دور لیجا کر ایک باغ میں رکھا اور کہا دن کو یہاں رہا کرو اور رات کو غارتگروں کے خوف سے اپنے مکان میں لیجاتا تھا۔ وہاں ہم کوٹھے پر رات بسر کرتے تھے۔ چھ روز اسی طرح ہم وہاں رہے۔ چھ دن کے بعد اس کے ہمسایہ دیہاتیوں نے اس سے کہا کہ انہوں نے تجھ کو بہت روپیہ دیا ہوگا ورنہ تو کیوں ان کی اس قدر حفاظت کرتا ہے پس اگر اس میں سے ہمکو بھی حصہ دے تو بہتر ہے ورنہ رات کو آکر ہم ان سب کو مار ڈالیں گے۔ ہمارے محافظ نے یہ حال سنکر ہم سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تم سیدھی کرنال چلی جاؤ۔ سننے میں آیا ہے کہ وہاں کچھ سرکاری فوج آگئی ہے چنانچہ راستہ کی حفاظت کی غرض سے وہ کرنال تک ہمارے ساتھ گیا۔ کمانڈر انچیف صاحب نے اسکی خدمت کے عوض اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جو لڑکا میں گود میں لائی تھی وہ دو روز میں مر گیا۔ یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ میری والدہ بھی بوجہ سختی اور محنت کے جانبر نہ ہوسکی اور مر گئی۔

وہ گروہ جس کو ہم نے پیچھے چھوڑا تھا جس میں میری ہمشیرہ تھی اس کے تعاقب میں مفسد آگئے تھے مگر وہ خدا کے فضل سے اس طرح بچ گئے کہ کبھی جھاڑیوں میں چھپتے تھے کبھی ان جھاڑیوں میں بیٹھے بیٹھے لیٹے لیٹے چلتے تھے۔ کانٹے جو بدن میں چبھ گئے تھے ان سے خون جاری تھا۔

آٹھواں فسانہ

ڈاکٹر ڈیوڈ صاحب کی میم نے بھی اپنی سختیوں اور مصیبتوں کا حال مشتہر کیا ہے جو دوسرے صاحبوں کے ساتھ دہلی سے کرنال تک بھاگنے میں انہیں جھیلنی پڑی تھیں۔

ڈاکٹر ڈیوڈ صاحب زخمی ہوگئے تو میں پیادہ پا ان سے ملنے کو دوڑی قبل اسکے میں نے ان سے کہلا بھیجا تھا کہ پہاڑی کے برج پر جو ایک محفوظ مقام ہے چلے آویں ملبل صاحب کی میم جو

اس مصیبت میں میری شریک تھی ایک دوست کی مہربانی سے ان کو بھی یہ جگہ ملی میں بھی انکے ساتھ سوار ہوگئی جب میں ڈیوڈ صاحب کے پاس پہنچی تو وہاں ایک ڈولی ہسپتال کی رکھی ہوئی تھی میں نے اس خیال سے کہ ڈولی میں صاحب کو آرام ملے گا اور وہ اچھی طرح سفر کرسکیں گے ڈولی مذکور میں ان کو سوار کرا کر اپنے ساتھ لیا۔ تھوڑی دور ہم گئے ہونگے کہ کہاروں نے جانے سے انکار کردیا یہاں سے ان کو پالکی گاڑی میں جو ان کے ساتھ آئی تھی سوار کرا کر کرنال روانہ کیا اور میجر پیٹرسن اور پیل صاحب کو یہاں سے رخصت کیا۔ اب ہم سب پیچھے پیریٹ سے گزرے راستہ میں تین مرتبہ ڈاکٹر صاحب کی سواری بدلنی پڑی اور اس میں دیر لگ گئی۔ اس وجہ سے دوسری عورتوں اور انگریزوں سے ہم پیچھے رہ گئے اور ان سب کے بعد یہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ ہم صرف دس میل طے کرنے پائے تھے کہ دیہاتی آگئے اور ہم کو روکنا چاہا۔ اتنے میں ہمارے سائیس نے ہم سے کہا کہ اگر آپ آگے جائیں گی تو ماری جائینگی کیونکہ دیہاتی راستہ میں آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں یہاں بھی ہم کو مشکل نظر آتی تھی کیونکہ ہمارے گھوڑے انہوں نے پکڑلیے تھے اور ننگی تلواریں سائیس کے سر پر تنی ہوئی تھیں اور آگے کا بھی خوف تھا۔ القصہ ان سے تو کسی طرح بچ گئے مگر اب ارادہ کیا کہ کمپنی باغ کو واپس چلیں اور وہاں دوسرے روز تک پوشیدہ رہیں چنانچہ یہی کیا اور مالیوں نے ہم سے اقرار کرلیا کہ ہم تم کو پناہ دینگے بہت دیر کے بعد ایک گروہ لاٹھیاں لیکر ہمارے پاس آیا اور کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے دیدو ان کا مقابلہ بے فائدہ تھا۔ کیونکہ ہم صرف دو بیکس عورتیں اور وہ پورا گروہ کا گروہ وحشیوں کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو ایسا شدید زخم لگا تھا کہ وہ اٹھنا تو درکنار بات بھی نہ کرسکتے تھے۔

ہم دونوں کے پاس ایک ایک صندوق زیور اور جواہرات کا تھا اسکے علاوہ میرے پاس سو روپئے نقد بھی تھے جسکو بچانے کے خیال سے ساتھ لائے تھے اب یہ خیال فضول تھا انہوں نے سب چھین لیا اسکے علاوہ میپل صاحب کی میم کا گون ٹوپی پہننے کے کپڑے اور دو خون آلود چادریں بھی لے لیں بگھی بھی توڑ ڈالی اور گھوڑوں پر سوار ہوکر اپنی راہ لی۔ ان کے بعد بھی کئی مرتبہ لٹیرے آئے اور اُس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک اچھی طرح سے یہ نہ دیکھ لیا کہ ہم بالکل مفلس اور

فقیر ہو گئے ہیں۔

اب ہمارے پاس ایک حبہ باقی نہ رہا۔ رات کو قریب ایک بجے میں اور میپل صاحب کی میم ڈاکٹر صاحب کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر کسی گاؤں کی تلاش میں باہر نکلی بڑی کوشش اور ترغیب کے بعد ایک زمیندار ہمکو اپنے ساتھ لے گیا۔ رہنے کو مکان اور کھانے کو دودھ روٹی دی اس روز شام کو ہم کرنال روانہ ہو گئے۔ اسی طرح رات ہی رات میں سات سات میل ہم بدقت طے کرتے تھے کیونکہ ایک زخمی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ گاؤں گاؤں سے روٹی مانگ کر کھاتے تھے اور زمین پر سو رہتے تھے بعض مقامات پر لوگ مہربانی سے پیش آتے تھے مگر اکثر مقاموں پر لوگ طعنہ دیتے تھے اور بُری طرح سے پیش آتے تھے یہاں تک کہ سخت دھوپ کے وقت کوئی سایہ میں بھی ہم کو بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اسی طرح ہم نے چھ دن بہزار مصیبت کاٹے اس میں دن کو تو کسی درخت یا پُل کے نیچے دھوپ کے وقت رہتے تھے۔ ہر وقت جان کا خوف لگا رہتا تھا۔ پانی بھی نہ ملتا تھا مگر اس خبر سے ایک گونہ تشفی ہوتی تھی کہ بادشاہ کے سپاہیوں کے ہاتھ سے شاید بچ جائینگے۔

چھٹے دن مقام بالگڈھ میں وارد ہوئے یہ گاؤں رانی منگلادیبی کا ہے یہاں رانی صاحب نے ہماری بہت خاطر مدارات کی اور کہا کہ ہم تمہاری حفاظت کرینگے مگر دوسرے دن یہ امیدیں برباد ہو گئیں کیونکہ رانی کے آدمی ہمارے ساتھ یہ مہربانی دیکھکر ناراض ہو گئے اور اُنہوں نے رانی کو دھمکایا کہ اگر تم ان کو یہاں سے نہ روانہ کرو گی تو ہم تمہارا گاؤں لوٹ لیں گے۔ یہ بات ہمارے واسطے بے انتہا افسوسناک اور رنج دہ تھی مگر کوئی علاج نہ تھا۔ ناچار یہ تجویز ہوئی کہ رات کو یہاں سے روانہ ہونا چاہیئے۔ اس عرصہ میں اطمینان کی ایک صورت اور پیدا ہوئی یعنی اتفاقاً میجر پیٹرسن صاحب مجروح اور پیروں میں چھالے پڑے ہوئے لنگی باندھے ہوئے آپہنچے میجر موصوف تمام راستہ ہمارا پتہ لگاتے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ ملاقات اگرچہ بہت غنیمت تھی مگر رنج بھی زیادہ ہوا کہ ہم سے ذی رتبہ آدمیوں کے پاس کپڑے تک پہننے کو نہ رہیں اور ہندوستانی کپڑوں میں بسر کریں۔

آفتاب ڈوبنے کے بعد ہم گاؤں سے نکالے گئے اور سڑک کا رستہ چھوڑ کر دو تین گاؤں

طے کیے اسی فکر و تردد میں ہم اس قدر تھک گئے تھے کہ آخر بمنت و خوشامد ایک زمیندار سے کہا کہ ہمکو کہیں بیٹھنے دو اور کچھ کھانے کو لا دو کل یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس زمیندار نے ہماری بڑی خاطر کی۔ کھانا بھی با فراط لایا اور سونے کے لیئے چارپائیاں بھی دیں۔ دوسرے روز صبح چار بجے ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ایک گاؤں والے نے ایک چارپائی اور کہار میرے شوہر کے واسطے دئے۔ میری جوتی گھس گئی تھی۔ مسیحر پیٹرسن کی جوتی بھی پھٹ پھٹا کر غائب ہو گئی تھی۔ میں اس حالت میں گرم ریت اور خاردار میدانوں میں ننگے پاؤں چلتی تھی۔ الغرض ہم تھانہ کولی کے قریب پہنچے۔ یہاں ہمارے ساتھ نہایت مہربانی اور رعایت کے ساتھ لوگ پیش آئے۔ ایک آدمی نے ہمارے حال پر رحم کھا کر ہمارے واسطے نہایت مزیدار کڑھی پکائی۔ دوسری صبح کو ہماری سواری کے واسطے دو گھوڑے ایک ٹچر اور ایک گدھا تحصیل کولی تک جانے کے لیئے دیا۔ وہاں پہنچکر ہمیں اطمینان ہوا اور ہم سمجھے کہ اب ہم محفوظ ہیں۔ دوسرے روز کرنال سے ہمارے واسطے شکرم آئی اور مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہی حفاظت کے واسطے ساتھ آئے ہم سب وہاں سے روانہ ہو کر تاریخ ۲۰ مئی کرنال پہنچے۔ یہاں پہنچکر ہم سیدھے رگھی صاحب کے مکان پر گئے اور سچ یہ ہے کہ اُنہوں نے ہم فقیروں اور بناہگیروں کیساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا جو ایک حقیقی اور اصلی عیسائی کے لیئے لازم ہے ہمیں اُنہوں نے اس قدر آرام پہنچایا کہ ان کا احسان ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ ایک ہفتہ سے زائد ہم کرنال میں ٹھہرے رہے۔ اسکے بعد پھر سفر شروع کیا۔ کرنال سے انبالہ گئے اور انبالہ سے ڈاک کارٹ پر سوار ہو کر کالکا پہنچے راستہ میں اکثر گاڑی سے اُتر کر خود گرم ریت میں گاڑی کھینچنی پڑتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے زخم کو بھی میں نے خود گیارہ دن تک دھویا اور باندھا۔ زخم اس قدر خراب اور شدید آیا تھا کہ گولی سے دانتوں کے جبڑے اُڑ گئے تھے۔ گیارہ روز کے بعد ایک ڈاکٹر صاحب نے ان کا زخم ملاحظہ فرمایا تھا۔

ہماری مفروری نہایت خراب تھی۔ ہم نے اس بھاگڑ میں بڑی سختیاں جھیلیں اور نہایت سخت کریہہ بلکہ آدمیت سے خارج طعنہ سہنے پڑے۔ جس قدر سامان تھا سب لُٹ گیا۔ ہمارے اور ییبل صاحب کی میم کے پاس از قسم جواہرات بہت سی بیش بہا چیزیں تھیں۔ کچھ ہم نے خود خریدی تھیں

کچھ دوستوں نے تحفہ نذر کیئے تھے لیکن ان نالایق غارتگروں نے کچھ بھی خیال نہ کیا اور سب لوٹ لے گئے ہم نے پانی کی طرف سے بھی سخت مصیبت اٹھائی پیدل چلنے کی وجہ سے ہمیں پیاس بہت لگتی تھی اور جب پانی ہمارے پاس کا ختم ہو جاتا تھا تو ناچار جھیلوں اور تالابوں کا میلا اور کیڑے پڑا ہوا پینا پڑتا تھا۔ کنوؤں سے کھینچکر پیتے تھے اگرچہ کھاری ہوتا تھا مگر مجبوراً پینا پڑتا تھا۔ یہاں میں یہ بھی بیان کردینا چاہتی ہوں کہ کرنیل ابلی صاحب کی ڈولی ہم سے آگے جاتی تھی لیکن وہ کہاں رکھدی گئی ہمیں معلوم نہیں ہماری قدرت سے باہر تھا ورنہ ہم کوشش کرکے ان کو اپنے ساتھ لے لیتے اور تنہا ان کو قتل ہونے کو نہ چھوڑتے۔

نواں فسانہ

موہن لال جس نے کابل میں سرکاری خدمت کی تھی دہلی میں موجود تھا جب وہاں فساد شروع ہوا تو قتل سے بچکر وہ ولی داد خاں کے یہاں پناہگیر ہوا مگر ولی داد خاں نے اسکو بالاگڑھ کے قلعہ میں ۲۴ دن تک قید رکھا اسکے بعد وہ وہاں سے بھاگ کر اگست کے پہلے ہفتہ میں میرٹھ پہنچا وہ اپنا حال ایک خط میں جو ہاجسن صاحب کے بیٹے کے نام لکھا تھا اس طرح بیان کرتا ہے۔

ہاجسن صاحب سنیچر کے روز ۱۰ رمئی کو صبح کے وقت دہلی پہنچ گئے۔ ہم دونوں ملکر بہت خوش ہوئے اور ان چیزوں کے روانہ کرنے کی تدبیر کی جو ہم نے راجہ صاحب کے واسطے خریدی تھیں۔ شام کے وقت میں ان کو اپنی گاڑی میں سوار کراکر شہر کی عالیشان عمارات دکھلانے کی غرض سے لے گیا، رات ہم نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کی۔ تمہاری اور ہنری کی تعلیم کا اکثر ذکر رہا کہ باوجود صغیر سنی کے کس خوبی سے اپنے دفتر کا کام انجام دیتا ہے۔

۱۱ رمئی کی منحوس صبح نمودار ہوئی، اتوار کی صبح تک ہر طرح شہر میں امن وامان تھا۔ فساد کی کوئی علامت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ کلکتہ کے اخبارات بھی ہمارے پاس آئے یکایک یہ خبر وحشت اثر سنکر یاس کی حالت طاری ہوئی کہ میرٹھ کے مفسد یہاں بھی آپہنچے اور

نہایت بیرحمی سے قتل و غارت اور عیسائیوں کے مکانات جلانا شروع کر دیئے ہیں۔ سواروں کے بعد پیادہ سپاہ بھی آگئی اور دہلی کی فوج میں شامل ہو کر ان کے ساتھ قتل و خونریزی کرنے لگی جب وہ دن یاد آتا ہے تو میرے جسم پر لرزہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ قریب دو بجے دن کے چار سپاہی مع بندوقوں کے میرے دروازہ کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ گو دروازہ بند تھا، مگر چونکہ ان کو شہر کے بدمعاشوں نے ترغیب دی تھی اس لیئے اُنہوں نے بدزبانی شروع کر دی اور کہا کہ مکان ایک عیسائی کا ہے۔ کل یہاں ایک فرنگی آکر ٹھہرا ہے۔ ہم مالک مکان اور نووارد فرنگی دونوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ ہمارے نوکروں اور محلہ والوں نے کہا کہ یہ گھر کسی عیسائی کا نہیں اور نہ اس میں کوئی فرنگی ٹھہرا ہے۔ بہت سی عاجزی اور خوشامد اور کچھ روپیہ دینے کے بعد اس روز تو وہ شریر چلے گئے۔

جس وقت تک یہ تکرار ہوتی رہی اور وہ سپاہی چلے نہ گئے تمہارے والد ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جس کے اندر جلانے کی لکڑیاں رکھی ہوئی تھیں چھپے بیٹھے رہے رات کو ہاجسن صاحب کو تمہارے چچا کے گھر میں اس خیال سے بھجوا دیا کہ اگر وہ سپاہی دوبارہ آئیں اور مکان کے اندر زبردستی گھس آئیں تو صاحب کو نہ پائیں۔

۱۲ مئی کو شہر کے بدمعاشوں سے معتقدین نے میرے تعلق سرکاری کا حال سُنکر پھر حملہ کیا۔ پہلے قریب و جوار کی دو دکانوں کو لُوٹا۔ پھر زبردستی میرے گھر میں گھس آئے۔ سب مال اسباب لوٹ لیا اور مجھکو گرفتار کر لیا اور کہا کہ تو انگلستان جانے کی وجہ سے ہندو نہیں رہا۔ اور اپنی لڑکی کو ولایت تعلیم کے لیئے بھیجنے اور ہاجسن صاحب کی رشتہ داری کی وجہ سے تو مسلمان بھی نہیں۔ اس کے علاوہ تو گورنمنٹ انگلشیہ کا جاسوس بھی ہے۔ اسی واسطے تجھے ایک بڑی مقدار میں پنشن ملتی ہے اس لیئے ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ ایک نے بندوق کی نال میرے سینہ پر رکھدی مگر عورتوں کی گریہ وزاری اور عاجزی و خوشامد نیز ہندو مسلمان ہمسایوں کے سمجھانے بجھانے سے کوتوال شہر نے جو اس وقت اتفاقاً ادھر سے گزر رہا تھا میرے قتل کو

ملتوی کر دیا۔ اور کہا کہ تحقیقات کرنے کے بعد ماریں گے۔

اس واقعہ کے بعد میں روپوش ہو گیا کبھی کہیں رہتا کبھی کہیں۔ ہاجسن صاحب بھی محلے کے گھر سے میری خالہ کے مکان میں چلے گئے۔ اور وہاں چند روز رہے۔ اب لوگوں کو شک ہوا کہ ہاجسن صاحب وہاں روپوش ہیں۔ چنانچہ ہاجسن صاحب اور ہم سب کی صلاح ہوئی کہ قسمت آزمائی کیجئے اور یہاں سے بھاگ چلنا اس سے بہتر ہے کہ گھر میں گرفتار ہو کر قتل کر دئے جائیں۔

چنانچہ رات کے آٹھ بجے لباس تبدیل کر کے صاحب اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ لاہوری دروازہ سے کسی طرح باہر ہو کر کرنال روانہ ہو جائیں۔ مگر ان کا رہبر بیان کرتا ہے کہ بدقسمتی سے مفسدین ان کے اوضاع و اطوار سے ان کو پہچان گئے اور گرفتار کر لیا گفتگو کے بعد سارا راز کھل گیا کہ وہ ہندوستانی لباس میں انگریز ہیں۔ آخر کار ہاجسن صاحب نے قبول کیا کہ وہ کون ہیں اور کس واسطے کس کے پاس آئے تھے۔ اسی سلسلہ میں صاحب موصوف نے میرا نام بھی بتلا دیا۔

الغرض صاحب موصوف کو تو وہیں قتل کر ڈالا اور اب میرے درپے تلاش ہوئے۔

میرے چند دوستوں نے خضر سلطان شہزادے سے سفارش کر کے اجازت حاصل کرائی کہ میں تعلقہ دار ولی داد خاں کے ہمراہ چلا جاؤں۔ ولی داد خاں بالا گڈھ کا تعلقہ دار تھا۔ بالا گڈھ، بلند شہر سے دو میل پر واقع ہے۔ خان مذکور گورنمنٹ کا پنشن خوار اور نمک حلال رعایا میں سے تھا اور ۱۰ رجون تک وفادار رہا۔

ولی داد خاں کے یہاں کی سواریاں بھی دہلی سے جا رہی تھیں۔ میں بھی انہی کے ساتھ ایک علیحدہ پالکی میں بیٹھکر شہر سے نکلا۔ خان مذکور نے دہلی میں مجھ سے اقرار کیا تھا کہ وہ مجھکو آگرہ تک پہنچا دینگے۔ ہمیشہ سرکار کے خیر خواہ رہیں گے۔ مگر چند مقامات کی بد انتظامی کا حال سنکر بے وقوف منحرف ہو گیا۔ اور مجھکو قید کر لیا۔

اگرچہ میں نہایت پریشان اور مغموم تھا۔ مگر ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اس دغا باز کی قید سے رہائی ملے۔ راؤ گلاب سنگھ سرکار کا خیر خواہ اور ایک متمول تعلقہ دار کوجر تھا وہ

ولی داد خاں کا بھی دوست تھا۔ میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ آپ ولی داد خاں کے پاس سے مجھے اپنے پاس بلالیں۔ راؤ صاحب موصوف نے ازراہ مہربانی اپنے دیوان کو خان مذکور کے پاس بھیجا کہ براہ عنایت وہ مجھ کو اس کے حوالہ کردیں۔ مگر اس نے منظور نہ کیا۔

اس کے بعد میں نے ایک اور دوست کو آگرہ میں لکھا کہ تم بیس سپاہی ملازم رکھکر بالاگڑھ آؤ اور مجھ کو خفیہ قید سے چھڑا لیجاؤ۔ مگران کے پاس روپیہ نہ تھا اور نہ سپاہی میسر آئے۔ اس وجہ سے وہ بھی کچھ امداد نہ دے سکے۔

اب کوئی امید باقی نہ رہی تھی صرف خدا پر نظر تھی جس نے اس وقت تک جان بچائی ہے وہی آئندہ بھی حفاظت کریگا۔

۲۹ رجولائی کو تھوڑی سی گورہ فوج کے سپاہی آئے اور مفسد مذکور کی فوج کو ہاپوڑ میں شکست دی اس شکست سے قلعہ میں اس قدر خوف و ہراس پیدا ہوا کہ سب کے حواس باختہ ہوگئے۔ میں ۳۰ رتاریخ کو علی الصباح قید خانہ سے نکلکر بلند شہر بھاگ گیا۔

چند روز کے بعد لیپٹ صاحب نے (جن سے مجھ سے پہلے ملاقات ہوچکی تھی) میرے بھاگنے کا حال سنکر صاحب موصوف اور ڈنلاپ صاحب مجسٹریٹ میرٹھ نے تلطف آمیز ایک چٹھی لکھکر اور کچھ سوار ولسن صاحب کے رسالہ کے میرے لینے کو بھیجے۔

میرٹھ میں ولیم صاحب نے مجھ پر بڑی مہربانی کی اور بیحد خاطرداری سے پیش آئے صاحب موصوف نہایت خلیق اور رحمدل افسر ہیں۔

صاحب موصوف کے ارشاد کے مطابق میں نے قلعہ بالاگڈھ کا نقشہ اور مفسدین کے حالات لکھکر اُن کے حوالہ کئے۔

دسواں فسانہ

ایک میم جو سکندر صاحب کے خاندان سے ہندوستانی لباس پہنکر میرٹھ چلی گئی تھیں۔ وہ

دہلی کے فساد کا حال اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

دریا گنج میں جس قدر عیسائی رہتے تھے وہ سب فساد کے روز ایک کوٹھے پر جمع ہوئے اور تین چار دن تک وہاں قائم رہے۔ جب سپاہیوں نے دیکھا کہ بندوق کے زور سے وہ اس مقام سے نہیں اُتریں گے تو ایک نوپتی توپ لائے۔ اس کے ایک گولے سے سب کنڈکٹر سٹل صاحب جاں بحق تسلیم ہوئے۔ جب تک یہ لوگ کوٹھے پر رہے کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں پہنچی۔ غریب معصوم ننھے ننھے بچے بھوک پیاس سے بلک رہے تھے۔ ان کمبخت سنگدلوں نے لڑکوں سے کہا کہ اگر تم نیچے اُتر آؤ تو ہم تمہیں کھانا پانی سب کچھ دیدیں گے۔ مگر جب وہ معصوم نیچے اُترے تو فوراً قتل کا اشارہ کیا اور سب معصوموں کو ذبح کر ڈالا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد قتل عام شروع ہو گیا۔ اس ہنگامہ میں جو لوگ قتل ہوئے ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:۔

میگزین کے تین کنڈکٹر مع عیال و اطفال۔ مسز نیرایس صاحب مع عیال و اطفال اور دو نواسوں کے۔ مسز زیلی مع دو بچوں کے، آبوس صاحب کی میم وغیرہ۔

روڈ صاحب مصور اپنے بھاگنے اور چھ ہفتہ کے سفر کا حال جس عرصہ میں وہ دہلی سے آگرہ تک پہنچے تھے اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

گیارھواں فسانہ

میں جی لول صاحب ریلوے انجینیر اور ایچ سپنسر صاحب اور کمنگ صاحب یہ بھی ریلوے انجینیر تھے ان کے بنگلے پر رہتا تھا۔ یہ بے حد خلیق اور مہماں نواز ہیں۔ انکا بنگلہ دہلی سے دو میل پر جنوب کی طرف واقع ہے۔

صبح نو بجے کے قریب ہم نے فساد کی خبر سُنی۔ دس بجے ۲ گھوڑے سوار بغیر گھوڑوں کے ہمارے دروازہ پر آئے۔ بارہ بجے ٹھیک گھر لوٹا۔ اور پانچ انگریز وہاں مارے گئے۔ چھاؤنی اور شہر کے تمام بنگلے اس روز دن بھر جلتے رہے جس دن ہم نے شہر چھوڑا دو بجے کے قریب

نہایت خوفناک اور وحشت انگیز خبریں مشہور ہوئیں۔ہم نے احتیاط کو عین شجاعت سمجھکر تھوڑا سا ضروری اسباب اکٹھا کیا اور بابو کو حکم دیا کہ نوکروں کو سامان کے ساتھ روانہ کردے۔اس کے بعد ہم بھی روانہ ہوگئے۔اور آہستہ آہستہ پکی سڑک کے کنارے کنارے چلے۔ہمایوں کے مقبرے میں ڈیڑھ سو سوار مفرورین کی گرفتاری کے لیئے مقیم تھے۔ان سے بچکر آگے بڑھے۔چونکہ ہزاروں مزدور وہاں کام کررہے تھے۔اس لیئے مفسدوں نے ہم کو نہیں دیکھا۔جب ہم بٹلر صاحب کے بنگلہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ صاحب موصوف ابھی تھوڑی دیر ہوئی چلے گئے۔کچھ دیر ہم اس بنگلہ میں ٹھہرے۔وہیں ہم نے میگزین کا اُڑنا دیکھا۔اس کے بعد بنگلہ سے روانہ ہوئے۔اور چار میل پر بٹلر صاحب کو جا لیا۔وہاں ایک بنگلہ تھا اس میں اُترے کھانا کھایا اور پھر روانہ ہوکر فریدآباد جو یہاں سے چھ میل پر تھا پہنچ گئے۔

یہاں ہم نے مقام کیا۔چائے پی۔اور بہت ہوشیاری سے رہے۔آدھی رات کے قریب بلم گڈھ کا راجہ ہمارے پاس آیا اور کہا کہ پچاس سوار تمہاری تلاش میں آتے ہیں بہتر یہ ہے کہ تم اپنے خدمتگاروں کا لباس پہن لو اور جلدی میرے قلعہ میں آجاؤ۔میں تمہاری حفاظت کرونگا یہ کہکر وہ اپنے قلعہ میں گیا تاکہ وہاں کوئی فساد برپا نہ ہو۔راجہ نے بلم گڈھ پہنچکر ایک سوار بھیجا کہ ہم کو لے جائے۔چنانچہ ہم قلعہ میں پہنچے۔راجہ صاحب نے ہمیں ایک مکان میں مخفی رکھا۔ہم وہاں پہنچے ہی تھے کہ وہ پچاس سوار بھی آپہنچے۔مگر ان سے راجہ صاحب کے آدمیوں نے کہدیا کہ صاحب لوگ آگے بڑھگئے۔وہ تو یہ سنکر آگے روانہ ہوگئے اور ہم ایک نیند لیکر دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے جو بلم گڈھ سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ہماری حفاظت کے واسطے راجہ کا ایک رسالہ ہمارے ہمراہ تھا۔اس گاؤں میں پانچ دن تک ایک چھوٹے سے مکان کے کوٹھے پر رہے پانچ روز کے بعد وہاں سے بھی راجہ صاحب کے مرسلہ اونٹ پر راجہ صاحب کے معتمد کے ساتھ متھرا روانہ ہوئے۔راستہ میں ہر گاؤں سے بچتے چلے یہانتک کہ ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام اروان تھا۔شتربان ہم کو سیدھا وہیں لے گیا۔مگر اتفاق سے راستہ جھگڑے سے

رُکا ہوا تھا اس لیئے ہم اس راستہ سے واپس آئے چار اونٹ تو واپس آئے مگر ایک جسپر مین صاحب تھے پیچھے رہ گیا۔ ہم ان کے انتظار میں گاؤں کے باہر ٹھہرے رہے۔ اور گاؤں والے ہمارے گرد و پیش مسلح کھڑے تھے۔ اتنے میں بندوق کی دو آوازیں آئیں۔ آواز سنتے ہی ہم سب وہاں سے بھاگے۔ پہلا اونٹ جس پر لول صاحب سوار تھے وہ تو اچھی طرح باہر نکل گیا۔ دوسرا جسپر سپنسر صاحب تھے گر پڑا اور اُٹھکر بھاگ گیا۔ ہمارا اونٹ بھی زمین پر گرا اور پھر نہ اُٹھ سکا۔ جو اُس کے قریب جاتا تھا اُسکو کاٹنے دوڑتا تھا۔ ناچار اس کو وہیں چھوڑا سپنسر صاحب اور کمنگ صاحب تو راستہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور بٹلر صاحب راستہ پر بھاگتے رہے۔ مفسدین نے ہمکو دوڑ کے مارنا شروع کیا۔ چونکہ صبح ہونیوالی تھی ہم مفسدین کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے اُنہوں نے ہم کو گھیر لیا تو بٹلر صاحب نے مصالحت کر لی۔ مفسدین نے کہا کہ اگر تم اپنی بندوقیں دیدو تو ہم تم کو تکلیف نہ دینگے۔ اس اقرار پر اپنی بندوقیں ہم نے اُن کے حوالہ کر دیں۔ مگر یہ معاملہ ہو ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے میرے شانے پر زور سے لکڑی ماری میں نے بھی لوٹ کر اپنی رائفل کا کندہ اس کے جڑ دیا۔ جب ہم اپنی بندوقیں دیکر گاؤں واپس آتے تھے اس وقت بٹلر صاحب نے اپنا پستول اُس آدمی سے چھین کر جس کو اُنہوں نے دیا تھا واپس راستہ کی راہ لی۔ اس عرصہ میں ایک شخص نے میرے سر پر تلوار ماری۔ میں نے کہا بس جو کچھ میرے پاس ہے لیلو۔ چنانچہ ڈیڑھ سو روپیے میرے تھے وہ میں نے ان کو دیدیئے۔ اس کی تقسیم میں باہم ان میں تکرار ہونے لگی۔ میں نے جو پیچھے مُڑ کر دیکھا تو بٹلر صاحب غائب ہو گئے تھے اور کوئی ان کے تعاقب میں نہ تھا۔ اس عرصہ میں پھر ایک شخص دوڑ کر آیا اور بڑے زور سے تلوار میرے سر پر ماری جسکے صدمے سے میں زمین پر گر پڑا۔ مگر تلوار کند تھی اس لیئے زخم نہ آیا۔ میں نے زمین پر گر کر دم سادھ لیا۔ اور اوندھے منھ سینہ کے بل پڑا رہا جس سے وہ سمجھے کہ مر گیا۔ ان لوگوں نے میرے کپڑے جوتے اور سگرٹ بکس سب کچھ اُتار لیا۔ اور آپس میں تکرار کرنے لگے۔ سگرٹ بکس میں تین روپیے تھے۔ ایک نے کہا کہ یہ میں لوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں لوں گا۔ اسباب تقسیم کرنے کے بعد وہ میرے اِرد گرد کھڑے ہوئے اور تھوڑی

دیر تک بطور نوحہ اور مرثیہ کے گاتے رہے۔ کبھی کبھی مجھے لات بھی مار دیتے تھے۔ ایک نے اس خیال سے کہ دیکھیں مر گیا یا ابھی زندہ ہے میری گردن پر پاؤں رکھا اور اُٹھا کر زمین پر پٹک مارا مگر میں نے بھی ایسا دم سادھا کہ اُن کو نہ معلوم ہو سکا کہ میں زندہ ہوں پتھر کی طرح میں نے اپنا جسم سخت کر لیا۔ ایک شخص نے پھر میری گردن کے نیچے پیر ڈالکر مجھکو سیدھا کیا اور میرے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اُس وقت میں نے سانس لینا بالکل بند کر دیا اور جب اُس کا ہاتھ میرے دل پر آیا میں نے دم نہیں لیا۔ اس کے بعد کچھ شور و غل ہوا مگر میں اُس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو میں نے ایک آنکھ چپکے سے کھولی تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ اُس وقت میں اُٹھا۔ مگر خون چونکہ بہت نکل گیا تھا میں کمزور ہو گیا تھا اور بمشکل چل سکتا تھا مگر نا چار اُفتاں و خیزاں بھاگا ہی تھا کہ ایک مسلح آدمیوں کا گروہ نظر پڑا۔ وہ آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے دیکھکر اشارہ سے اُنہوں نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور میری التجا اور خواہش سے ایک کنوئیں پر مجھکو لے گیا۔ وہاں میں نے پانی پیا۔ اسی آدمی نے مجھکو ایک سیدھا اور صاف راستہ بتلایا جس میں جھاڑ جھنکاڑ اور کانٹے وغیرہ نہ تھے اس لئے کہ میرے پاؤں میں جوتے نہ تھے۔ اور کانٹے دار راستہ میں میرا چلنا بہت دشوار تھا۔ راستہ بتا کر خود بھی میرے ساتھ چلا اور کہا کہ اپنے خون آلود کپڑے دیدو میں ان کو دھولا دوں۔ اس حیلے سے اُس نے میری واسکوٹ جسمیں عقیق کے بٹن اور سونے کی زنجیر لگی ہوئی تھی اُتروالی اور چاہا کہ مجھے مارے۔ مگر میں نے اُسکے ذہن نشین کر دیا کہ اگرچہ میں زخمی ہوں مگر ولایت زا ہوں۔ چنانچہ میں نے اُسکو زمین پر دے مارا اور آگے بڑھا مگر دھوپ کی تیزی کی وجہ سے مجھ میں تاب نہ تھی۔ میں نے قمیص ہندوستانی کپڑوں کے نیچے سے نکالکر سر پر رکھی اور اس طرح دو ایک میل چلا تھا کہ دو یا تین آدمی لٹھ لیئے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھے دھمکانے لگے۔ میں نے اُن سے صاف کہدیا کہ اگر تم مار ڈالوگے تو تم کو کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن اگر تم مجھ کو بلم گڈھ پہنچا دوگے تو سو روپئے دونگا اور اگر آگرہ پہنچا دوگے تو تین سو روپئے دونگا۔ یہ سنکر اُنہوں نے تھوڑا سا پانی پلایا اور چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک نہایت وحشتناک

آدمی کھیتوں میں سے دوڑتا اور شور و غل کرتا میری طرف آیا۔ میں اسے دیکھکر کھڑا ہو گیا۔
اسنے میرے سر سے قمیص اُتار لی اور مارنے کو تھا کہ میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ میرے پاس ایک کوڑی
نہیں ہاں مگر میں بلم گڈھ تک کے سو روپئے اور آگرہ تک کے لیجانے کے تین سو روپئے دیسکتا ہوں
مگر اس کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ راجہ بلم گڈھ ہمارا دوست ہے۔ اس اثنا میں اور گاؤں والے
بھی آئے اور اُنہوں نے کہا کہ دو انگریز دوسرے گاؤں میں جو یہاں سے قریب ہے آئے ہوئے
ہیں ان آدمیوں نے مجھے پانی بھی پلایا اور اس گاؤں میں پہنچا دیا۔ وہاں سپنسر صاحب اور
کنگ صاحب موجود تھے اور خدا کے فضل سے ان کو راستہ میں کوئی مفسد بھی نہیں ملا تھا ان
دونوں صاحبوں سے ملکر میں بہت خوش ہوا۔ سپنسر صاحب نے ازراہ مہربانی میرے زخم دھوئے
دونوں صاحبوں نے گاؤں کے نمبردار سے اقرار کیا کہ اگر تم ہمیں آگرے پہنچا دو گے تو فی کس پانسو
روپیہ دینگے۔ بہت قیل و قال کے بعد نمبردار نے انکار کر دیا۔ مگر ان کی بندوقیں اور تین سو روپے چھین لیئے
اُسی وقت ہمارے پاس مجل صاحب کی ایک چٹھی پہنچی اُنہوں نے ہم کو بلایا تھا اور لکھا تھا کہ حال دریافت کیا تھا چلے آؤ کہ یہ
گاؤں سرکار کا خیر خواہ ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دیہہ کو یہاں سے دو کوس پر ہے یہاں سے روانہ ہو کر ہم صاحب
موصوف کے پاس پہنچے وہاں سے شام تک مقیم رہے۔ ہمارے رہبر نے ہمکو صلاح دی کہ یہاں سے دوسرے گاؤں جو
ایک میل یہاں سے ہے چلنا چاہیئے کیونکہ وہ گاؤں بڑا ہے اور اُسکے رہنے والے اچھی طرح ہماری حفاظت بھی کر سکتے
ہیں۔ چنانچہ ہم اسکے کہنے کے مطابق دوسرے گاؤں میں چلے گئے اور وہاں نو روز تک مقیم رہے۔ گو
اس درمیان میں سپاہیوں نے اس گاؤں والوں کو بہت کچھ ڈرایا دھمکایا کہ ہم تمہارے گاؤں پر حملہ کرینگے
مگر وہ کچھ خاطر میں نہ لائے اسوقت ہمکو یقین ہو گیا کہ اگر ہم اس چھوٹے گاؤں میں رہتے تو سب کے سب
قتل کر دیئے جاتے اسکے بعد ہمیں اور زیادہ تشفی ہوئی کہ فورڈ صاحب مجسٹریٹ گوڑ گانوہ نے ہوڈل کے مقام
سے بھرت پور کی فوج کا ایک پیش کار دہاری حفاظت اور ہمراہی کیلیئے بھیجا اور ہم صاحب موصوف کے
پاس پہنچگئے اور وہاں اُنکے پاس بہت آرام ہمکو ملا۔ وہاں بہت دنوں قیام رہا دہلی کے فتح ہونے کی خبر کے
منتظر رہا کرتے تھے اس عرصہ میں متھرا میں بھی فساد ہو گیا اور جو سپاہی ہمارے ساتھ تھے اُنہوں نے بھی

1352

فسادیوں کا ساتھ دیا۔ اور ہم نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اسکے بعد ہم ہارڈی صاحب کے ہمراہ امن

وامان کے ساتھ ہوڈل سے ۲۶ جون کو آگرہ چلے گئے۔

مجل صاحب نے ہوڈل سے روانہ ہونے سے قبل راجہ بلم گڈھ سے دوسو روپیہ نقد اور سواری کے واسطے گھوڑی

لیئے تھے مگر سوراہ کے حساب سے ایک کم تھا مگر پھر بھی راجہ صاحب نے بہت بڑی عنایت کی تھی۔ (اس راجہ کو فتح دہلی کے بعد پھانسی دیدی گئی)

بارھواں فسانہ

۱۹ اگست کو میم صاحب کی ہیم دہلی کے فوجی کیمپ میں ایک غازی ساکن سوات کے ہمراہ آئیں

گو شہر سے دو غازی اُنکے ساتھ چلے تھے مگر ایک مفسدوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا تھا میم صاحب افغان

لڑکوں کی ہیئت و شکل میں بھاگی تھیں۔ میم صاحب موصوف شروع غدر دہلی یعنی ۱۱ مئی سے ۱۹ اگست

تک ۳ مہینے قید میں رہی تھیں۔ ان کا ایک بچہ ان کی گود میں گولی سے مارا گیا تھا۔ اور وہی گولی خود میم صاحب

کے بھی لگی تھی۔ زخمی ہونے کے بعد دونوں غازیوں نے ان کی حفاظت کی تھی۔

فوجی کیمپ میں داخل ہونے سے پہلے ایک رات کسی تدبیر سے میم صاحب اجمیری دروازہ سے

باہر نکلکر گھاس میں چھپ رہیں۔ صبح کے وقت غازیوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جا کر دیکھے۔ انگریزی

فوج سبزی منڈی میں ہے یا نہیں۔ وہ دیکھکر گیا اور سارا حال جا کر بیان کیا۔ میم صاحب یہ سب

حال سنکر وہاں سے روانہ ہوئیں اور جس قدر تیز چل سکیں چلکر کیمپ میں آگئیں راستہ میں دشمن کے

سنتریوں نے ایک غازی کو گولی سے مار ڈالا۔ دوسرے غازی اور میم صاحب کا بھی تعاقب کیا مگر

جب وہ ہماری گولی کے نشانہ پر پہنچے تو مفسدوں نے پھر آگے قدم نہیں رکھا اور غازی و میم صاحب

نے بخیریت سبزی منڈی میں پہنچکر سجدہ شکر ادا کیا۔

میم صاحب عجیب ذلیل و خستہ حال تھیں۔ ہمارے اکثر سپاہی ان کا حال دیکھکر بہت روئے

اُن کے کولے پر ایک زخم تھا اور اُن کا انگوٹھا بالکل گھس گیا تھا۔ کیونکہ قید میں اُن کے انگوٹھے کو

باندھکر ایک جگہ کس دیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں نے انکی تواضع کی۔ کوئی پانی لایا۔ کوئی شراب لایا

کوئی روٹی لایا کوئی گوشت مگر بیم صاحب نے بوجہ ضعف اور کمزوری کے کچھ کھایا اور نہ پیا۔ تھوڑے عرصہ تک ان کے گرد جمع رہے اور سوالات مختلف کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو دق کر دیا مگر بیم صاحب نے سب کا مجمل طور پر جواب دیا۔ آخر کار کپتان ہیلی صاحب آ گئے اور ایک ڈولی منگوا کر اُس میں سوار کیا اور بحفاظت تمام اُن کو کیمپ میں بھیجدیا۔ وہاں ان کو ایک علیحدہ خیمہ دیا گیا اور تمام ضروریات کی چیزیں مہیا کر دی گئیں۔ شہر سے بھاگنے کے وقت ان کے پاس ایک پُرانا میلا کپڑا تھا جسکو اُنہوں نے اپنے جسم پر لپیٹ لیا تھا۔ ایک ٹکڑا اور تھا جو ان کے سر پر لپٹا ہوا تھا۔ نہ ہاتھوں میں دستانے تھے اور نہ پاؤں میں تابت جوتی صرف ایک پھٹی پُرانی ہندوستانی جوتی تھی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس سے زیادہ خراب خستہ حالت میں نہیں ہو سکتی تھیں۔

تیرھواں فسانہ

جیمس موریلی صاحب جن کی ایک ہندوستانی نوکر کی مدد اور اعانت سے جان بچی تھی وہ اپنے بھاگنے کا تعجب انگیز واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

میں اور میرے دوست ولیم کلارک صاحب دونوں ایک دو منزلہ مکان میں کشمیری دروازہ رہتے تھے۔ ہم دونوں کی شادی بھی ہو گئی تھی اور تین بچے بھی تھے۔ کلارک صاحب کے بھی ایک لڑکا تھا اور ان کی بیوی حاملہ تھیں۔

اا رمئی کو صبح نو بجے کے قریب میں دفتر جانے کے لئے تیار تھا کہ بازار میں ایک شور ہوا اتنے میں میرا نوکر آیا اور اس نے کہا کہ چند رجمنٹیں پنے انگریز افسروں کو قتل کر کے میرٹھ سے یہاں شہر میں آ گئی ہیں۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اب کیا کرنا چاہیے چنانچہ بگھی بھی واپس کر دی ہم دو تین گھنٹے مکان پر اور ٹھہرے رہے کہ اتنے میں ایک اور نوکر نے آ کر کہا کہ بدمعاش جمع ہو کر انگریزوں کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ سنکر میری بیوی اور بچوں نے رونا شروع کیا۔ کچھ نوکر دروازہ پر جا کھڑے ہوئے اور ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ چلو میرے مکان میں چلکر چھپ رہو۔ مگر میرا ارادہ تھا کہ میں

باہر جاکر دیکھوں کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں ایک سونٹا ہاتھ میں لیکر گلی میں گیا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں اور آگے بڑھا۔ وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ آخر اس گلی کو طے کرکے دوسرے کوچہ میں گیا۔ اس میں بھی کوئی آدمی نہ تھا۔ صرف ایک بوڑھا آدمی دوکان پر بیٹھا تھا۔ میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا تو سیدھے ہاتھ کی طرف ایک گروہ آدمیوں کا نظر آیا۔ مجھ سے دور تھا اور سوائے غل و شور کے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں اس خیال سے کہ وہ میرے ہی مکان پر آویں گے وہیں تھوڑی دیر کھڑا رہا اور اُن کو دیکھتا رہا اسکے بعد ایک شور کی آواز پیچھے سے سُنائی دی۔ مُڑ کر دیکھا تو ایک گروہ آدمیوں کا میرے دروازہ کے اندر جاتا تھا۔ اور مجھکو دیکھکر چند آدمیوں کو میری طرف بھیجا یہ دیکھکر فوراً بائیں طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا میں وہاں گھُس گیا۔ جہاں سے ایک راستہ بہت پھیر سے میرے مکان کی طرف بھی جاتا تھا۔ اس دروازہ پر چند عورتیں اور ایک یا دو آدمی کھڑے تھے مگر اُنہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا وہاں سے بھی آگے بھاگا۔ زیادہ دور نہ گیا تھا کہ دو آدمی اور گلی سے بھاگتے ہوئے نکلے اور میری طرف یہ کہتے ہوئے آئے کہ مارو فرنگی کو ان میں سے ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی دوسرے کے پاس لاٹھی تھی جب وہ نزدیک آ گئے تو میں بھی ٹھہرا اور تلوار والے کے میں نے ایک ایسا سونٹا سر پر مارا کہ وہ زمین پر گر گیا۔ دوسرے نے میرے سر پر لاٹھی ماری مگر میں نے سر جھکا لیا اور وہ لاٹھی میرے شانے سے چھوتی ہوئی چلی گئی میں نے جو اپنی لاٹھی پھرائی تو اُس کے زانو پر اس زور سے لگی کہ وہ بھی چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اس عرصہ میں لوگ وہاں جمع ہونے لگے اور میں وہاں سے بھی آگے روانہ ہو کر ایک تاجر کی دوکان پر پہنچا۔ وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ایک گاڑی کی چھت ٹوٹی ہوئی زمین پر پڑی تھی اس میں میرے لیئے کافی جگہ تھی۔ میں اس میں گھسکر بیٹھ گیا۔ اس عرصہ میں چار پانچ آدمیوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ "اِدھر ہی کو گیا ہے" میں مارے ڈر اور خوف کے ذرا بھی آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ اُنکے جانے کے تھوڑی دیر بعد پھر وہاں کوئی نہ تھا اور نہ اُدھر سے کوئی آدمی گزرا۔ اب مجھے اپنے اہل و عیال اور کلارک صاحب کے بیوی بچّوں کا خیال آیا میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ کیا وہ سب مارے گئے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ ہو مجھے گھر جانا نہ چاہیئے۔ اس خیال نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔

ابھی ابھی تو ہمات میں گھرا ہوا تھا کہ دوبارہ اسی راستہ میں شور وغل برپا ہوا اور ایک انبوہ کثیر شور کرتا اور انگریزوں کو گالیاں دیتا اُدھر سے گزرا۔ اس عرصہ میں دو تین عورتیں گھروں سے نکل کر اس چھت کے پاس آکھڑی ہوئیں۔ اُنکی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ بچہ اُسکے نیچے (چھت کو) جھانکنے لگا تو کسی نے کوٹھے سے آواز دی کہ اندر آکر دروازہ بند کرلو۔ میں وہاں بہت دیر تک چھپا رہا کیونکہ یہ بازار بہت چلتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس میں ہر جگہ آدمی ملیں گے مگر دوبارہ مجھے اپنے اہل و عیال کا خیال آیا اور میں نے فیصلہ کرلیا کچھ بھی ہو مجھے گھر ضرور جانا چاہیئے۔ غرضکہ میں باہر آیا اور ابھی نکلا ہی تھا کہ ایک عورت نے کہا کون ہو مگر میں نے کچھ جواب دیا اور وہاں سے چل دیا۔ یہ گلی بیچ شہر میں واقع نہ تھی بلکہ شہر کی فصیل کے قریب تر تھی۔ بنئے بقال اس میں رہتے تھے۔ بلکہ بنگالی رہتے تھے جس قدر بدمعاش تھے وہ سب شہر لوٹنے گئے ہوئے تھے۔ مجھے اس راستہ میں صرف دو آدمی ملے اور وہ مجھے جانتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ اپنے کو بچاؤ۔ قصہ مختصر یہ کہ میں اپنے مکان کے پچھواڑے تک پہنچ گیا۔ یہاں ایک باغ تھا اور ایک کھڑکی میں سے اندر گیا۔ اُسوقت چار بجے تھے کیونکہ میں تمام دن اپنی چھت کے نیچے چھپا رہا تھا۔ اسی وقت گزر گیا تھا وہاں بھی میں نے بندوقوں کی آوازیں سُنی تھیں اور ساتھ ہی ایک بہت زور کا دھماکا اور زلزلہ سا معلوم آیا۔ جو بعد میں معلوم ہوا کہ میگزین اُڑایا گیا تھا۔

عبرتناک نظارہ

غرضکہ میں اپنے باغ کے اندر آیا تو سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ مکان کے نزدیک پہنچا تو کرسیاں گلاس رکابیاں اور کتابیں ٹوٹی پھوٹی اور منتشر پھیلی ہوئی تھیں کپڑوں کے بغچہ جل رہے تھے پہلے جدھر تو کرسیتے تھے اُدھر گیا مگر وہاں کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ گائے خانہ کی طرف کچھ رونے کی سی آواز آئی۔ میں گیا تو دیکھا کہ ہمارا قدیم دھوبی جس نے بیس برس تک میرے والد کی خدمت کی تھی پڑا ہے۔ میں نے اُس کا نام لیکر آواز دی تو اُس نے آنکھ کھولی اور مجھ کو دیکھکر رو رو کر کہنے لگا کہ صاحب لوگوں نے سب کو مار ڈالا یہ سنتے ہی مجھ پر غش کا سا عالم طاری ہوا اور میں بیٹھ گیا۔ دھوبی سے میں نے پانی مانگا اُسنے اپنے گھر سے لاکر دیا۔ پانی پینے کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا اور کیونکر ہوا۔ پہلے تو وہ خوب رویا۔ پھر کہا

کہ صاحب جب تم چلے گئے تو دونوں میم صاحب اور بچے ایک جگہ خوف کے مارے بیٹھ گئے کیونکہ گلی کوچوں میں بہت شور ہو رہا تھا اور بندوقوں کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ یہ حال دیکھکر کلارک صاحب نے اپنی شکاری بندوق نکالی اور اسکو بھرا میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ کہیں تو دروازہ بند کرلوں مگر اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم کو کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اسکے بعد ایک بڑا سا گروہ لاٹھیاں تلواریں اور برچھیاں لیئے ہوئے احاطہ کے اندر آگیا۔ کلارک صاحب زینہ پر کھڑے ہوئے تھے اُنہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو ان لوگوں نے سوائے گالیوں کے اور کچھ جواب نہ دیا اور کہا کہ ہم ہر ایک فرنگی کو ماریں گے صاحب یہ سنکر اندر چلے گئے اور دروازہ نہ بند کیا۔ ان کے پیچھے وہ سب آدمی بھی اندر گھس آئے نوکر سب بھاگ گئے صرف میں بچ گیا جب وہ سب اندر داخل ہوگئے تو کلارک صاحب نے کہا یہ سب چیزیں موجود ہیں لیجاؤ مگر ہم کو نہ مارو لیکن اُنہوں نے صاحب کو گالی دیکر اور اُن کی میم کی طرف دیکھکر کہا۔ کیا یہ تمہاری میم ہے، یہ کہکر خوب ہنسے اور اُنہوں نے سب اسباب کو توڑنا پھوڑنا اور لوٹنا شروع کیا۔ ہماری میم صاحب نے تینوں بچوں کو لیکر غسل خانہ میں جاکر دروازہ بند کرلیا تھا۔ کلارک صاحب میرے پیچھے بندوق لیکر کھڑے ہوگئے۔ ان لوگوں نے بندوق دیکھی تو کہا کہ یہ ہم کو دیدو۔ ان میں سے ایک شخص میم صاحب کے پاس گیا اور ان کے گالوں کو چھوکر فحش بکنے لگا۔ کلارک صاحب یہ دیکھکر چلائے اور کہا کہ او سور اور اُس کو گولی سے مار دیا اور دوسرے کو دوسری گولی سے زخمی کرکے بندوق کی نال سے مارنے لگے۔ یہ دیکھکر میں نے سمجھا کہ اب یہ لوگ سب کو مار ڈالیں گے۔ میں بھاگ کر غسلخانہ کی طرف گیا کہ میم صاحب کو نکال لیجاؤں مگر وہاں بھی بہت سے آدمی موجود تھے اُنہوں نے مجھے مارا اور کہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے۔ میں مجبورًا باغ میں جاکر ایک درخت کی آڑ میں جا بیٹھا وہاں سے میں نے اول بڑا شور و غل سُنا اسکے بعد دیکھا کہ وہ لوگ مال و اسباب نکال نکال کر چاروں طرف پھینک رہے ہیں۔ دروازوں کے شیشے بھی توڑ ڈالے اور پھر چلے گئے۔

یہ سنکر تھوڑی دیر تو مجھ پر سناٹے کا عالم طاری رہا۔ پھر میں نے اُٹھکر دھوبی سے کہا کہ چلو اندر چلیں۔ مکان میں جاکر باہر کے کمرے میں دیکھا کہ اکثر چیزیں ٹوٹی پڑی ہیں میزیں کُھباڑیوں سے

توڑی گئی تھیں۔ اور سب چیزیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ مربے، اچار کے ڈھیر لگے ہوئے تھے بسکٹ تمام پھیلے پڑے تھے! ور برانڈی وغیرہ شراب کی بوتلیں ٹوٹی ہوئی پڑی تھیں اور انکی بدبو تمام پھیل گئی تھی۔

یہ تمام حالات میرے دل پر نقش ہیں اور ایسے موقعوں پر ہر شخص کو جو بدترین اندیشہ لگا رہتا ہے وہی خوفناک اندیشہ اور خطرہ مجھ کو بھی تھا۔ اسی اندیشے میں دیر تک اس کمرہ میں رہا۔ اور ادھر اُدھر دیکھتا رہا آخر کار دل کو مضبوط کر کے دوسرے کمرہ میں گیا۔ وہاں جو کچھ نظر آیا حقیقت میں اسکے دیکھنے کے لیئے بہت مضبوط دل ہونا چاہیئے۔ وہاں داخل ہوتے ہی میرا دل خوف وحقارت سے بھر گیا۔ سامنے جو نظر پڑی تو کلارک صاحب کا بیٹا دیوار پر ایک میخ سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کا سر نیچے تھا اور خون کے فوارے جاری تھے۔ افسوس دردناک اور وحشیانہ قتل اُنھوں نے ماں کے سامنے کیا ہوگا۔ یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھکر میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ جب ڈرتے ڈرتے دوبارہ میں نے آنکھیں کھولیں تو اس سے زیادہ نادیدنی اور ہیبت ناک نظارہ دیکھنا پڑا یعنی کلارک صاحب اور انکی میم دونوں پہلو بہ پہلو پڑے تھے اور میں بیان کرونگا کہ کس قدر یہ منظر دہشتناک اور پر الم تھا کیونکہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ کلارک صاحب کی میم حاملہ تھیں اور قریب تھا کہ ان کے اولاد پیدا ہو۔

میں چیخنے کی آواز سنکر تیسرے کمرہ میں گیا اور وہاں دیکھا کہ دھوبی غریب ہاتھ ملکر رو رہا ہے وہ غسلخانہ کے دروازہ پر کھڑا تھا میں ڈر کر غسلخانہ تک گیا۔ مگر اندر نہ جاسکا کیونکہ وہاں وہ حال تھا کہ دشمن کو دیکھنا بھی نصیب نہ ہو میں تو اسکا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لاسکتا کہ کلارک صاحب کی طرح میں اپنی بیوی کو دیکھوں میں بدحواس ہو کر دونوں ہاتھ زانو پر رکھکر بیٹھ گیا۔ مجھے اسوقت رونا بھی نہیں آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل پر ایک پہاڑ قائم ہے جو آنکھوں تک آنسوؤں کو نہیں آنے دیتا مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا آخر دھوبی نے آکر کہا کہ ادھر آدمی آتے جاتے ہیں اب یہاں ٹہرنا مناسب نہیں چنانچہ وہی پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اب شام ہوگئی تھی اور اندھیرا پھیل گیا تھا خیال ہوا کہ شاید نوکر واپس آئیں مگر مجھے اب کسی پر اعتبار نہ رہا تھا۔

دھوبی نے مجھ سے کہا کہ آج رات کو میں تم کو اپنے بھائی کے یہاں لیجاؤنگا جو شہر کی دوسری طرف رہتا ہے اور کوئی ایسی تجویز نکالونگا کہ تم بھی کسی طرح شہر سے باہر نکل جاؤ ہم اور آپ کرنال چلیں گے۔ میں اس کے

گھر کے اندر جا کر لیٹ رہا اور وہ دروازہ پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ بدمعاشوں کا ایک گروہ اندر آیا اور خوب قہقہہ لگا کر ہنسے چیخے چلائے اور ایک کھڑکی کے راستہ سے باہر چلے گئے۔ میں نے خود سنا کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ :۔ کیا خوب تماشا ہے۔

اب میرے نوکر بھی واپس آ گئے تھے۔ اور اس واقعہ کا ذکر آپس میں کرنے لگے اور مجھے اسکی بہت خوشی ہوئی کہ اُنہوں نے مجھ کو مقتولین میں خیال کر لیا۔ ایک شخص نے کہا کہ میم صاحب اور بچوں کا قتل بہت قبیح اور بُری بات ہوئی۔ اب روزگار کہاں ملے گا۔ مگر دوسرے نے فوراً جواب دیا کہ وہ لوگ کافر تھے اب شاہِ دہلی ہماری پرورش کرینگے۔

میں آدھی رات کے بعد بہت آہستگی سے باغ میں گیا اور دھوبن کی کرتی پہنکر اوڑھنی اوڑھکر باہر نکلا اور مقام مقررہ پر پہنچکر دھوبی سے ملا۔ مجھے ساتھ لیکر اپنے بھائی کے مکان پر گیا۔ راستہ میں ہر جگہ کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ میگزین کی طرف سے ایک تیز شعلہ بلند ہو رہا تھا اور فصیل کے باہر بندوقیں چل رہی تھیں جب ہم اس کے بھائی کے مکان کے قریب پہنچے تو دھوبی نے کہا کہ تم چپ چاپ ایک گوشہ میں کھڑے رہو میں اندر جا کر دیکھوں کہ کون کون ہیں۔ چنانچہ یہ امر میرے لیئے خوش قسمتی کا باعث ہوا کیونکہ بعد میں معلوم ہوا کہ دھوبی کا بھائی ہمارے قتل سے خوش ہوا کہ اب سب کپڑے اس کے پاس ہیں گے۔ اگر میں اندر چلا جاتا تو وہ ہرگز ہمارے بچانے کی کوشش نہ کرتا بلکہ وہ تو ہمارے قتل پر آمادہ تھا۔ میں اس گوشے میں بہت دیر تک کھڑا رہا اکثر آدمی ادھر سے گزرتے تھے۔ اگر ان کو ذرا بھی خبر ہو جاتی کہ ایک فرنگی ان کے قریب موجود ہے تو خدا جانے کیا کیا ذلتیں اُٹھانی پڑتیں۔ میں تمام عمر شہر میں رہا ہوں مجھ کو اکثر لوگ جانتے تھے۔ اسلیئے خوف تھا کہ کوئی پہچان نہ لے اور میری اوڑھنی کی بے ترتیبی سے کوئی شناخت نہ کر لے اسی کشمکش و پیچ میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ اب صبح ہونے لگی اور اس خیال سے کہ اب پردہ کھل جائیگا اور زیادہ اندیشہ ہوا۔ آخر دھوبی نکلا اسکے آگے آگے ایک بیل کپڑوں سے لدا ہوا جا رہا تھا۔ مگر وہ میری طرف نہ آیا بلکہ سامنے ایک دوسری گلی میں چلا گیا۔ یہ دیکھکر مجھے افسوس ہوا کہ دیکھو یہ بھی مجھے چھوڑ چلا خیر جو قسمت میں ہے وہ ہوگا لیکن اجنبی کی خدمت اور ایمانداری کا خیال آیا تو دل نے کہا کہ یہ اس وجہ سے میری

طرف نہیں آیا کہ کسی کو میری طرف سے شبہ نہ ہو۔ یہانتک کہ دھوبی دور نکل گیا۔ اس وقت میں اٹھا اور اسکے
پیچھے ہولیا۔ وہ آگے آگے جاتا تھا اور میں کچھ پیچھے پیچھے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس گلی سے باہر نکل آئے جسمیں
اس کا بھائی رہتا تھا۔ اسکے بعد وہ ٹھہر گیا اور اشارہ سے مجھکو بلایا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے
کہا کہ میرا بھائی بے ایمان ہے وہ کبھی تم کو نہ بچاتا اور میں اس بہانہ سے نکل آیا ہوں کہ ایسے وقت شہر میں
رہنا مناسب نہیں۔ جبکہ چاروں طرف شہر میں فساد برپا ہے۔ میں تو یہاں نہیں رہوں گا اور گاؤں
جاتا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں شہر کی فصیل سے باہر نکل گئے اور کسی نے ہمکو نہ روکا۔ ہم سڑک کے راستہ
سے تین میل کے قریب گئے ہوں گے کہ دھوبی نے مشورہ دیا کہ اب کرنال جانا مناسب ہے کرنال کا راستہ
وہاں سے دور تھا اور ہمیں تمام شہر کا چکر کاٹ کر وہاں پہنچنا تھا۔ غرضکہ ہم اسطرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں
بہت سے آدمی ملے مگر کوئی نہیں بولا ہم آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور قریب شام کے کرنال کے رستہ پر پہنچے یہاں
معاملہ ہی کچھ اور تھا جو لوگ کرنال جاتے تھے۔ ان کی تلاشی لیجاتی تھی۔ چنانچہ مفسدین نے ہمکو گھیر لیا اور کہنے لگے یہ
بوڑھا آدمی بڑا ہوشیار مال غنیمت لئے جاتا ہے۔ دھوبی نے بلا تامل ان سے کہا کہ میرا بوجھ دیکھ لو جب انہوں نے
دیکھ لیا اور کچھ نہ پایا تو ہم لوگوں کو چھوڑ دیا۔ اب میں نے دھوبی سے کہا کہ آئندہ اگر کوئی گروہ مفسدین کا ملے
تو پہلے ہی سے کہنا چاہیئے کہ جاؤ فرنگیوں کو لوٹو اور اس واقعہ (فساد و قتل و غارت) کا ذکر ہنسی مذاق سے
کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آئندہ سے اسنے ایسا ہی کیا جسکی وجہ سے پھر کسی نے ہم پر شبہ نہیں کیا۔

دوسرے روز ہم بہت سویرے اندھیرے ہی سے بیل پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ تیسرے روز
ہم ہندوؤں کے ایک مندر کے قریب ٹھہرے اور ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ وہیں ایک بڑا
تالاب تھا اور ایک گوشائیں وہاں آکر ٹھہر گیا۔ اسکے بعد دھوبی کھانا لینے گیا۔ چونکہ ہوا سخت چل رہی تھی میں سو گیا جب
دھوبی کھانا لیکر واپس آیا اور مجھے جگایا تو اس سے گوشائیں نے کہا کہ میں جانتا ہوں یہ فرنگی ہے۔ ہم نے
اس کی بہت عاجزی اور خوشامد کی اور کہا کہ ہم پر رحم کرو۔ گوشائیں نے کہا جاؤ میں کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

اب میں زنانہ لباس سے تنگ آ گیا تھا اور مجھ کو شرم معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اس خیال سے کہ اب تو
دہلی سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ یہاں کون تکلیف دیگا لباس تبدیل کریں یعنی دھوبیوں کا مردانہ لباس

پہن لیا۔ راستہ میں اکثر گاؤں والے ہمکو گالیاں اور طعنے دیتے تھے مگر کسی نے ہمکو جسمانی تکلیف نہ دی۔

راستہ میں میں نے دیکھا کہ ایک لاش قیمہ کی ہوئی پڑی ہے اور جب میں نے دیکھا کہ ایک گدھ لوٹتا ہوا اس لاش کی طرف اُڑتا ہوا جا رہا ہے تو مجھے بیحد رنج ہوا۔ میں اس لاش کے پاس گیا تو ایک اور جوان العمر انگریز کی لاش اسکے برابر پڑی ہوئی تھی جس کا سن سولہ برس کے قریب تھا اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو لاٹھیوں سے مارا ہے میں نے اسکو وہاں دفن کیا مگر قبر برائے نام تھی تھوڑی سی ریگ ادھر ادھر سے سمیٹ کر لاش رکھدی اور وہی ریت پھر اس پر ڈالکر دبا دیا۔ افسوس۔

راستہ میں میں نے سنا کہ چند انگریز آگے جا رہے ہیں چنانچہ میں نے کوشش کی کہ ان سے جا ملوں مگر ان تک نہ پہنچ سکا۔ اس فساد سے پہلے ہی میری ٹانگ میں درد تھا۔ اب جو گرمی اور مٹی میں پیدل چلنا پڑا تو اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اکثر مجھ سے چلا نہ جاتا تھا تو میں پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر رکھتا تھا مگر چلنا ضرور تھا اگر موقع نہ ہوتا تو میں کبھی ایسی تکلیف گوارا نہ کرتا۔ مگر جان کی حفاظت کا خیال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ خواہ کیسا ہی سخت اور تکلیف دہ امر ہو انسان اس کے واسطے سب جھیل لیتا ہے۔

دہلی کی روانگی کے چھ روز بعد میں کرنال پہنچا وہاں مجھے آرام ملا۔ چونکہ اب جان کا فکر و اندیشہ دور ہو گیا تھا مجھے کچھ ہوش آنے لگا مگر اس فکر سے نجات ملی تو بخار نے آدبایا اور نوبت سرسام تک پہنچ گئی۔ مگر اب مجھے کچھ افاقہ ہے۔

۱۲ مئی کو ایک فقیر میرٹھ میں آیا اس کے ساتھ ایک انگریز کا بچہ تھا جسکو اس نے جمنا سے ڈوبتے ہوئے نکالا تھا میرٹھ آنے تک اس بچہ کی وجہ سے غریب پر کئی جگہ مار پڑی اور تکلیفیں دی گئیں مگر اس نے بچہ کو نہیں دیا۔ میرٹھ میں آکر جب حکام کے حوالہ کیا تو اس خدمت و حفاظت کے معاوضہ میں اس کو ایک سو روپیہ کی گرانقدر رقم دینے لگے مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا مگر یہ درخواست کی کہ ایک کنواں اس کے نام سے بنوا دیا جائے تاکہ اس کا نام یادگار رہے۔ غرضکہ اس فساد میں نہایت سخت وحشیانہ ظلم و ستم کیے گئے بچے رحم مادر سے نکالے گئے۔ ننھے ننھے بچے تلوار اور نیزوں کی نوک پر اٹھا کر بازاروں میں فخریہ پھرائے گئے عورتوں کو برہنہ کر کے نہایت ذلت و خواری سے قتل کیا گیا اور اسی وجہ سے خدا نے فسادیوں کو ذلیل کیا اور انگریزی حکومت پھر قائم ہو گئی۔

تمام شد

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی مدظلہ کی تصنیفات

غدر دہلی کے افسانوں کا پانچواں حصہ
گرفتار شدہ خطوط

اس مجموعہ میں وہ خطوکتابت شائع کی گئی ہے جو غدر ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ بادشاہ اور غدر کرنیوالوں کے درمیان ہوئی اور جس کو قلعۂ دہلی سے انگریزوں نے گرفتار کیا۔ ۱۵۲ صفحہ کی کتاب ہے کاغذ بھی اچھا ہے لکھائی اور چھپائی بھی۔ اس کتاب سے غدر کی تمام خفیہ کارروائیاں نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ اور غدر کے ہر ممبر کا طرز عمل علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوجاتا ہے نہایت دلچسپ ہے اور نہایت مؤثر ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ)

غدر دہلی کے افسانوں کا چھٹا حصہ
"غدر دہلی کے اخبار"

یعنی غدر ۱۸۵۷ء کے ان اخبارات کے اقتباسات جو زمانۂ غدر اور اس سے پہلے شائع ہوتے تھے اور جن پر انگریزی گورنمنٹ نے یہ الزام لگایا تھا کہ بغاوت کرانے میں ان مضامین کا دخل بھی تھا اب ان سب کا مجموعہ ایک جگہ شائع کیا گیا ہے ضخامت ۸۰ صفحے۔ لکھائی چھپائی نفیس، کاغذ نہایت اعلیٰ درجہ کا۔ قیمت چار آنے (۴ر)

غدر دہلی کے افسانوں کا ساتواں حصہ
"غالب کا روزنامچۂ غدر"

یہ اسی صفحے کی کتاب ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔ اس میں شاعری کے آفتاب نواب اسد اللہ خاں غالب کی تحریریں احوال غدر کے متعلق جمع کی گئی ہیں اور غالب کی مشہور تاریخ غدر "دستنبو" کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ ایک تو بیان غدر اس پر غالب کا طرز ادا یہ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ منھ سے بول رہے ہیں۔ نہایت دلچسپ۔ بہت عبرت انگیز، اور حسرت خیز۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی مدظلہ کی تصنیفات

غدر دہلی کے افسانوں کا آٹھواں حصہ

دہلی کی جاں کنی

اس میں غدر ۱۸۵۷ء کے وہ معتبر تاریخی حالات ہیں جو دہلی والوں کو پیش آئے۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی کاغذ بھی عمدہ۔ تصاویر نہایت نفیس اور بالکل اصلی۔ ایسی کتاب جس میں دہلی کے دردناک مصائب کا تاریخی بیان ہو، اور خود انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں سے حوالہ دیکر جمع کیا گیا ہو کوئی نہیں چھپی۔ عام لوٹ، عام قتل اور پھانسیاں، بہادر شاہ کی گرفتاری کا قصہ۔ اُن کے لڑکوں کا قتل کیا جانا اور ہڈسن صاحب کا خون پینا۔ عورتوں کا ڈوب ڈوب کر مرجانا۔

اس میں بہادر شاہ بادشاہ۔ شہزادہ جواں بخت۔ میرزا فخرو ولیعہد۔ میرزا مغل کمانڈر انچیف۔ حکیم اسد اللہ خاں۔ نواب حامد علیخاں۔ مرزا الٰہی بخش۔ نواب محبوب علی خاں اور بادشاہ کے دربار عام کی تصاویر بھی ہیں۔ اور بہادر شاہ کی وہ دردناک تصویر بھی ہے جو بحالت قید رنگون میں اس وقت لی گئی تھی جبکہ وہ جاں کنی میں مبتلا تھے، اور جس کے چند منٹ بعد وہ مرگئے۔

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

غدر دہلی کے افسانوں کا نواں حصہ

دہلی کا آخری سانس

ابھی حال میں چھپا ہے۔ نہایت دردناک مؤثر و معتبر حالات اس طرح ادا کیئے گئے ہیں کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (۱۸)

ملنے کا پتہ:۔ کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی

ہوالحق

غدر دہلی کے افسانوں کا تیسرا حصّہ

محاصرۂ دھلی کے خطوط

جن کا

مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی نے

انگریزی سے ترجمہ کرایا

شوال ۱۳۴۳ھ مطابق اپریل ۱۹۲۵ء میں تیسری بار

ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ دھلی نے

محبوب المطابع برقی پریس دھلی میں

چھپوا کر شائع کئے

(قیمت ۴ ؍)

(بار سوم)

دیباچہ طبع دوم

اکتوبر ۱۹۱۹ء میں یہ رسالہ پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا، پھر اگ
میں دوبارہ چھپا، اور اب سہ بارہ اپریل ۱۹۲۵ء میں شائع
غدر دہلی کے افسانوں کے آٹھ حصے شائع ہو چکے

اور یہ تیسرا حصہ ہے

میرا خیال ہے کہ اس رسالہ سے انگریزی کمد حاصل
ہوتی ہے جو سلسلہ غدر میں بہت ضروری چیز سمجھی جا جب
ان حصوں کو تاریخی نظر سے پڑھیں گی تو ان کو یہ رسالہ بھ کا

دہلی۔ حجرۂ رین بسیرا
درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی
اپریل ۱۹۲۵ء

حسن نظامی

ہو الکل یامعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محاصرۂ غدر دہلی کے خطوط

ذیل میں ان خطوط کا اردو ترجمہ شائع کیا جاتا ہے جو غدر دہلی ۱۸۵۷ء کے محاصرہ کے وقت انگریزی افسران فوج نے مسٹر جارج کارنک بارنس کے نام بھیجے تھے، مسٹر بارنس اس زمانہ میں دریائے ستلج کی مغربی ریاستوں کے کمشنر تھے،

ان خطوط سے غدر دہلی اور محاصرۂ دہلی کے حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے اور دہلی کی تاریخی یادداشت رکھنے کا جن لوگوں کو شوق ہے ان کو ان خطوط میں پوری دلچسپی کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے،

جس طرح دہلی کے انگریز افسروں کو اس کے پایۂ تخت مقرر ہونے کے بعد سے رات دن یہ خیال رہتا ہے کہ دہلی ہر اعتبار سے آراستہ شہر ثابت ہو، اسی طرح باشندگان دہلی پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے شہر کی ترقی میں حصہ لیں۔

شہروں کی ترقیاں صاف اور کشادہ سڑکوں سے، پختہ۔ شاندار اور خوبصورت عمارتوں سے، ہرے بھرے دل کشا باغوں اور پارکوں سے، اچھے اور وسیع کتبخانوں سے، اور باشندوں کی تجارتی صنعتی اور علمی فروغ سے معلوم ہوا کرتی ہیں۔

۱۹۱۱ء میں حضور شہنشاہ معظم کنگ جارج کے اعلان دربار نے دہلی کو بدستور ہندوستان کا پایۂ تخت قرار دیا تھا، اسی وقت سے تمام انگریز افسران دہلی اس شہر کی آرائش و درستی میں مصروف نظر آتے ہیں، خصوصاً آنریبل مسٹر ہیلی سابق چیف کمشنر دہلی کو دہلی کی ترقی کا بہت خیال رہتا تھا، اور ان کے عہد میں دہلی کی سڑکوں اور عمارات ہی نے ترقی

نہیں کی بلکہ علمی شاخوں میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہونے لگا، چنانچہ ہارڈنگ لائبریری کا قیام اور اس کی افزونی آنریبل موصوف ہی کے زمانہ میں ہوئی، اور لال قلعہ دہلی میں تاریخی عجائبات کا ذخیرہ مہیا کیا گیا، اور آنریبل موصوف کی بلیغ نظروں نے ایک بہت ہونہار اور لائق نوجوان مسٹر ظفر حسن بی۔ اے کو ان عجائب آثار قدیم کا نگراں مقرر کیا، مسٹر ظفر حسن علوم قدیم کے ماہر اور بڑی گہری جستجو سے علمی باتوں کو فراہم کرنے والے ثابت ہوئے اور قلعہ دہلی کے عجائب خانہ میں تاریخی نایاب اشیاء کا ایک معقول سرمایہ جمع ہو گیا۔

اسی زمانہ میں جب کہ مسٹر ہیلی دہلی کے چیف کمشنر تھے میں نے دہلی کی ایک مختصر گائڈ لکھی اور مسٹر ہیلی نے اس کو پسند فرمایا اور اس کے بعد ہی مسٹر ہیلی نے جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب خلف جناب شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم سے دہلی کی ایک مفصل و مبسوط تاریخ لکھنے کی فرمایش کی اور مولانا نے کمال محنت و تلاش سے اس کو مرتب فرمایا جو آجکل چھپ رہی ہے اور دہلی کی سب سے بڑی یادداشت تاریخی اس کتاب میں فراہم ہوئی ہے۔

اب جب سے مسٹر ہیرن چیف کمشنر مقرر ہوئے دہلی کی ترقی کا پہلے سے بھی زیادہ اہتمام ہو رہا ہے، کیونکہ اب ان کو بھی اس شہر کی ناموری اور عزت و ترقی کا بہت خیال ہے، پس ایسی حالت میں باشندگان دہلی کو بھی اپنے شہر اور اپنے حکام کی مدد میں حصہ لینا ضروری ہے چنانچہ میں نے اسی نیت سے ارادہ کیا ہے کہ دہلی کی تاریخی باتوں کو اردو زبان میں جمع کر کے شائع کروں اور اپنے نامور شہر کی تاریخی چیز کو منظر شہرت پر لاؤں۔

محاصرۂ دہلی کے ان خطوط کی اشاعت اسی مقصد کے ماتحت تصور کرنی چاہیے۔

اس سلسلہ کو میں اس مختصر رسالہ تک محدود رکھنا نہیں چاہتا، بلکہ غدر دہلی کے تمام تاریخی حالات کو ایک ایک کر کے رفتہ رفتہ شائع کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ ان خطوط کے بعد بہادر شاہ کا مقدمہ اور وہ خط و کتابت شائع کی جائے گی جو غدر کے باغیوں یا دہلی کی رعایا، یا بہادر شاہ کے لڑکوں اور بہادر شاہ کے درمیان ہوئی۔

یہ چیز بھی دہلی کی تاریخ میں ایک دلچسپ اضافہ مانی جائیگی، اس کے بعد خدا کو منظور ہے تو اسی طرح مسلسل اپنے شہر کی علمی ترقیوں میں اپنی فرصت و لیاقت کی موافق کام کرنا اپنا فرض سمجھونگا۔

اہل دہلی سے التماس

اپنے شہر والوں سے یہ التماس کرنے کا مجھے حق حاصل ہے کہ ان میں کا ہر شخص دہلی کی عزت اور ترقی کا خیال کرے۔

صفائی کی ضرورت: ہم کو صفائی کے معاملہ میں میونسپل کمیٹی اور حفظان صحت کے افسروں ہی کی امداد پر حصر نہ رکھنا چاہیئے، بلکہ ہر باشندہ دہلی خود اپنے گھر اور اپنی دوکان کی صفائی کا خیال رکھے اور سڑکوں اور بازاروں کی صورت ایسی آئینہ کی طرح شفاف نظر آئے کہ سیاحوں کو دہلی پر طعن کرنے کا موقع نہ ملے۔

کمیٹی ترقی دہلی کے نام سے باشندگان شہر کی ایک انجمن قایم ہو جو اتوار کے اتوار جلسہ کیا کرے اور دہلی کی ضروریات ترقی پر غور کر کے ہر شخص ایک ایک کام اپنے ذمہ لیلے (۱) مسافروں سے اچھا برتاؤ کرنے کا انتظام ہو (۲) مسافروں کو اچھا کھانا مہیا کرنے کی دوکانیں کھلیں، اور جہاں خراب کھانا فروخت ہوتا ہو اس کی شکایت میونسپل کمیٹی سے کیجائے (۳) اچھی سواریاں مہیا کیجائیں جن سے شہر کی رونق اور عزت بڑھے (۴) سراؤں اور ہوٹلوں کی نگرانی ہو، تاکہ وہاں مسافروں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہونے پائے جس سے دہلی بدنام ہو اور سیاح دہلی کی نسبت برا خیال دل میں لیکر جائیں (۵) جگہ جگہ کتبخانے قایم ہوں (۶) جو نامور شخص دہلی میں آئے اس کی قدر و منزلت و تعظیم مقدم کا بند و بست ہوا کرے، تاکہ وہ شہر کی زندگی کا خیال دل میں لیکر جائے (۷) شہر کے میلوں اور تفریحی جلسوں کو اصلی شان سے زندہ کیا جائے (۸) قدیمی کھانے پکانے والوں کی ہمت افزائی ہو (۹) دہلی کے قدیمی [illegible] اصلی شان سے زندہ کئے جائیں

غرض اس قسم کے ہزاروں کام ہیں جو ترقی دہلی کی کمیٹی کر سکتی ہے۔ میں نے اس کتاب میں

سرسری اشارہ کر دیا ہے۔ تاکہ حکام دہلی اور باشندگان دہلی اپنا فرض پہچانیں +

خطوط محاصرۂ دہلی پر ایک نظر

اب میں ان خطوط پر ایک نظر ڈالنی چاہتا ہوں۔ ان خطوط میں بظاہر کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی۔ اور غور کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ان کے اندر کی کچھ باتیں کم کر دی گئی ہیں۔ یعنی اصلی قلمی خطوط میں اس مطبوعہ عبارت کے سوا کچھ اور مضمون بھی ہو گا جو عوام کے قابل نہ سمجھ کر قلم زن کر دیا گیا۔

یہ خط ایک ہولناک وقت کی یادگار ہیں جبکہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے انگریزوں اور انکی باغی فوجوں کو تہلکہ میں ڈالدیا تھا۔ یہ تہلکہ حکام انگریزی اور ان کی افواج تک محدود نہ تھا بلکہ رعایا پر بھی اس کا اثر پڑا تھا۔ رعیت کے جو افراد غدر میں شریک ہوگئے تھے انکو تو یہ خوف تھا کہ دیکھیے اگر ہم کامیاب نہ ہوئے اور انگریزوں کا دوبارہ غلبہ ہوگیا تو ہم کو کیسی کیسی سزائیں دیجائیں گی اور جو لوگ شریک بغاوت نہ ہوے تھے ان کو غارت پیشہ لٹیروں کا ہر وقت خوف لگا رہتا تھا جنہوں نے سارے ملک میں آفت مچا رکھی تھی۔ ابتدائی خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریز بھی اس وقت امید و بیم کی حالت میں تھے اور ان کو اپنی کامیابی کا پورا یقین نہو سکتا تھا۔ ایک خط سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی شخص نے دہلی کی فصیلوں کو بودا اور کمزور سمجھ کر محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج پر طعن کیا تھا کہ اس نے ابتک دہلی کو کیوں فتح نہ کر لیا لیکن محاصرہ کی فوج کے افسر ہی جانتے تھے کہ دہلی کی فصیل بودی ثابت نہوئی اور اس نے فیل سے زیادہ توپوں کا مقابلہ کیا ہر شخص جو ان خطوط کو پڑھے گا انگریز افسروں کی ہمت کا قائل ہو جائیگا۔ انہوں نے کثیر توپوں اور بے شمار باغی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ اور ہمت نہ ہاری۔ اگر وہ بغاوت کی عام حالت کو دیکھکر گھبرا جاتے اور انتظام نہ کرتے تو ایک انگریز بھی ہندوستان میں زندہ نہ بچتا۔ ان خطوط سے انگریزوں کی دلیرانہ خصلت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ کمی تعداد، کمی اسلحہ کمی رسد

اور کبھی وفاداری سے ذرا نہ گھبرائیے اور آخر تک مستقل مزاج بنے رہے۔ اور یہی چیز تھی جس نے ان کو آخر کو نخباب کر دیا۔

یہ خطوط اس تاریخی نکتہ کو بھی ظاہر کرتے ہیں جو انگریزوں کے دوبارہ قبضہ ہندوستان کا راز ہیں۔ اور وہ صرف یہی ہے کہ تمام ملک کے انگریز باوجود خط وکتابت کی مشکلات کے ایک دوسرے کے مشورہ سے فائدہ اٹھاتے۔ اور ایک دوسرے کی مدد حاصل کرتے تھے چنانچہ محاصرۂ دہلی کے انگریز افسروں نے جو وقتاً فوقتاً مسٹر بارنس کو یہ خطوط بھیجے وہ اس بات کی شہادت ہیں کہ ہر انگریز اپنے خیالات مسٹر بارنس پر ظاہر کرتا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بارنس کی پوزیشن محاصرہ دہلی کے وقت افواج محاصرہ کو بہت ضروری نظر آئی تھی۔ کیونکہ مسٹر بارنس پر پنجاب کی ریاستوں اور پنجاب کی رعایا کا وفادار رکھنا اور پنجابی ریاستوں سے فوجوں اور سامان کی مدد حاصل کرنا اور محاصرۂ دہلی کی مادی اعانت کرنے کا بوجھ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ محاصرۂ دہلی کا ہر انگریز افسر ان کو فوجی حالت اور فوجی ضروریات سے آگاہ کرتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مسٹر بارنس پر محاصرہ کی افواج سے زیادہ ذمہ داری کی مشکلات کا بار تھا۔ اور وہ اپنے فرض کی ادائگی میں ایسے لایق ثابت ہوئے کہ ایک طرف مغربی ریاستیں پنجاب کی وفادار رہیں اور دوسری طرف محاصرہ دہلی کی افواج کو مسلسل مدد ملتی رہی۔

ان خطوط سے ایک تاریخی قصہ پر روشنی پڑتی ہے جو دہلی میں بہت مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی والے حکیم احسن اللہ خان صاحب پر شبہ کرتے ہیں کہ وہ انگریزی افواج کے قلعہ اور بہادر شاہ کے دربار اور شہر دہلی میں جاسوس تھے مگر ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب پر پورا اعتماد انگریزی افسروں کو نہ تھا اور وہ ان کی خیرخواہی پر شبہ کی نظر رکھتے تھے۔

حکیم صاحب سے دہلی اور رعایا کی بہتری اسی میں تھی کہ دوبارہ انگریزی تسلط قائم ہو جائے تاکہ باغی فوجوں کے مظالم ختم ہوں۔ اس واسطے ممکن ہے کہ انہوں نے انگریزی افواج کو کچھ مشورے دیے ہوں۔ مگر وہ بہادر شاہ اور دہلی کے غدار ہرگز نہ تھے اور انہوں نے

غالباً ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے دہلی کو نقصان پہنچا۔

بہادر شاہ کے مقدمہ میں بھی ان کی شہادت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچ اور بے لاگ باتیں کرتے ہیں۔ اور ان کو نہ انگریزوں کی رعایت منظور ہے نہ بہادر شاہ کی۔ باقی غیب کا علم خدا کو ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے شہر والے کو بدنامی سے بچاؤں۔

سبز پوش عورت مسٹر ہڈسن نے انبالہ کے ڈپٹی کمشنر کو خط لکھتے وقت جس قیدی عورت کا حوالہ دیا ہے اس کی کیفیت اہل دہلی کے لئے تعجب خیز ہونی چاہئے غدر و بغاوت سے مجھکو اور اہل دہلی کو قطعی اتفاق نہیں ہے اور اس لحاظ سے ہم اس سبز پوش قدرت کی ذرا بھی تعریف نہیں کرنی چاہتے۔ لیکن اس معاملہ میں ایک دوسرا پہلو بھی غور کرنے کا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی کی عورت کیسی بہادر تھی۔ جو ہتھیار باندھکر میدان جنگ میں گئی اور انگریزی فوج نے تسلیم کر لیا کہ وہ اکیلی پانچ مرد سپاہیوں کی برابر ہے۔

گو اس عورت کا کام اچھا نہ سمجھا جائے مگر اس کی ذاتی بہادری اور دلیری پر اہل دہلی فخر کرنے کا حق رکھتے ہیں اور ان کو فخر کرنا چاہیے۔

بہادر شاہ کا مقدمہ اور محاصرۂ دہلی کے اندرونی خطوط وغیرہ بھی عنقریب شائع ہونگے۔ بالفعل امید ہے کہ ان خطوط کو دلچسپی سے پڑھا جائے گا جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

بہادر شاہ کا مقدمہ، گرفتار شدہ خطوط، غدر دہلی کے اخبار کے نام سے چار کتابیں شائع ہو گئی ہیں ؎

درگاہ حضرت محبوب الٰہی دہلی

جون ۱۹۲۴ء

حسن نظامی

مراسلہ نمبر ۱

جسے جنرل سر ہنری برنارڈ کمانڈر انچیف نے جارج کارنک بارنس (جو دریائے ستلج کی مغربی ریاستوں کے کمشنر تھے) کے نام ۱۴ رجون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

از کیمپ بالائے دہلی۔ مورخہ ۱۴ رجون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس

میں یہاں سے ابھی تک دہلی کی جانب دیکھ رہا ہوں اور ہر گھڑی مجھے یہ امید ہوتی ہے کہ ہماری توپیں قلعہ کی دیواروں کی توپوں کو خاموش کر سکتی اور مجھے اس قابل بنا سکتی ہیں کہ کامیابی کی معقول امید کیساتھ قریب پہنچکر اس مقام پر قبضہ کرلوں لیکن ان (باغیوں) کی توپوں کی زیادتی میری ہمت پست کئے دیتی ہے پس اب (جیسا کہ واقعہ ہے) میرے سامنے (اور مجھے کسی چیز کا خوف نہیں) سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ میں ایک اچانک اور زبردست حملہ کردوں اور ان روشن راتوں میں یہ کام آسان نہیں معلوم ہوتا۔

میں صرف چھ توپوں کا انتظام کرسکا ہوں۔ اور ان کے چلانے والے بھی بالکل ناتجربہ کار ہیں۔ یہ (باغی) جوان تقریباً ہر روز باہر نکلتے ہیں اور دو دفعہ تو میں نے انہیں خاصی کی کیساتھ واپس بھیجا لیکن میرے سپاہی بھی ضائع جاتے ہیں۔ اور اس لئے مجھے انکی بہت کچھ ہمت افزائی کرنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آٹھویں تاریخ سے لیکر اب تک اوپر تلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں وہ آٹھویں تاریخ کے بعد سے اپنے نقصانات کا اندازہ دو ہزار سے زیادہ کرتے ہیں لیکن مجھے شک ہے کہ اسمیں وہ تعداد شامل نہیں کیگئی جس کا پتہ نہیں لگتا جب آپ حقارت آمیز طریقہ سے دہلی کی فصیلوں کا ذکر کرتے تھے تو میں نہیں سمجھ سکتا

سلہ ۱۸ رجون ۱۸۵۷ء کے مراسلے کے نیچے جو نوٹ درج ہے۔ اچانک اور زبردست حملہ کے سلسلہ میں اس سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ روشن راتوں سے مراد وہ راتیں ہیں جنہیں لوگوں کے شعلوں نے روشن کردیا ہو سان الفاظ سے چاندنی راتیں نہ سمجھنا چاہئے۔ مترجم۔

کہ اس سے آپ لوگوں کا مقصد کیا تھا۔ ۲۴ پونڈ وزنی گولہ پھینکنے والی توپیں باغیوں کے برجوں میں ہر جگہ نصب ہیں اور ان کے پیچھے تقریباً ۸ ہزار سپاہی بھی موجود ہیں (ایسی حالت میں) داخلہ آسانی کیساتھ نہیں ہو سکتا۔ اور میرے انجنیر کہتے ہیں کہ ہم باقاعدہ خندقیں بنا کر قلعہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور میرے توپخانہ والے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ان توپوں کو جو میرے پاس ہیں نہیں چلا سکتے۔ پس اب میرے پاس ایک تدبیر رہ گئی ہے اور اسے بھی پوری طرح آزما لینا چاہیئے۔ اگر اس میں ناکامیابی ہوئی تو میرے پاس کوئی محافظ فوج باقی نہ رہے گی اور یہ (گویا) بالکل تباہی کے آثار ہوں گے۔ ہندوستان کے لئے کونسی بات کم مضرت رساں ہے۔ یہ کہ امدادی فوج (کمک) کے انتظار میں تضیع اوقات کی جائے یا ناکامی کے خطرہ کو برداشت کیا جائے؟

وہ باغی اپنی دوسری آمد (حملہ) کی تیاریاں کر رہے ہیں اور اس لئے مجھے اپنے مراسلہ کو (جلد) ختم کر دینا چاہیئے۔ مسز بارنس سے میرا سلام کہہ دیجئے

آپ کا صادق - ایچ - ایچ - برنارڈ

مراسلہ نمبر ۲ - جسے جنرل سر ہنری برنارڈ نے جارج کارنک بارنس کے نام، ۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

۱۷ جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس

کسی غیر معمولی قسم کے بے حس شخص نے میری برساتی غائب کر دی۔ یہ میرے پاس فقط ایک ہی تھی۔ ہمارے بنگلہ میں دو صندوق ہیں جو معمولی دیودار کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اندر ٹین منڈھا ہوا ہے۔ سب سے چھوٹے میں ایک بہت بڑا بھورے رنگ کا رجمنٹل کوٹ (رکھا ہوا) ہے اگر آپ براہ مہربانی بکس کھول کر کوٹ میرے پاس بھیجدیں تو آپ میرے ساتھ بہت بڑی نیکی کرینگے۔

فی الحال ہم دہلی کے سامنے پڑے ہوئے ہیں یا جیسا کہ کسی نے مذاقاً کہا ہے ہم ابھی تک دہلی کے عقب میں ہیں۔ جو دیواریں (فصلیں) کہ میدانی توپوں کے ذریعہ منہدم کیجا نے والی تھیں ۱۸ پونڈ وزنی گولوں کے مقابلہ میں جوں کی توں نہایت مضبوطی سے قایم ہیں۔ ہم محل پر گولہ باری کرتے رہتے ہیں اور ابھی تک کئے جا رہے ہیں۔ رائفلز پلٹن کے ایک گورے نے ایک ہندوستانی سپاہی کو نشانہ بندوق بنایا اور اس کی ۴۷ اشرفیاں بھی چرالیں مجھے امید ہے کہ انگور باقاعدہ پک رہے ہیں۔

انھوں نے ہم پر کوئی حملہ نہیں کیا اور اسلئے میرا خیال ہے کہ وہ آج حملہ کریں گے اور پھر ایک اور چپت کھائیں گے۔

ہڈسن کو زکام ہے اور ہلکی سی سوجن بھی ہے لیکن آج کسی قدر افاقہ ہے گریٹ ہیڈ کے صاحبزادے کو بھی ہلکا سا بخار ہو گیا تھا۔ مگر اب حالت بہتر ہے میرے کی صاحبزادے کو جو چاند ماری کے اسکول میں تعلیم پا رہا تھا۔ اب گائڈز میں بھرتی کر دیا گیا ہے۔

ایک صاحب کمسریٹ کے بہترین ہاتھی کو بادشاہ کی خدمت میں تحفہ نذر کرنے کیلئے کل دہلی لے گیا تھا۔ کرزن تمہیں سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ ہماری پوجا کرنے کیلئے ابھی تک نہیں آئے

جنرل ریڈ بہتر ہیں اور اس لئے وہ اب اپنے سفر واپسی پر روانہ ہو جائیں گے

میری خواہش ہے کہ وہ میرے جنرل کو اس مہم کے ختم ہو جانیکے بعد مدراس بھیجدیں اسلئے کہ جنرل گرانٹ کے ماتحت بریگیڈیر کی پوزیشن میں رہ کر کام کرنا کسی طرح ان کے شایان شان نہ ہوگا

۱؎ اس سے غالباً مراد یہ ہے کہ واقعات کی نشو و نما توقعات کے مطابق عمل میں آرہی ہے۔

۲؎ لفٹنٹ ڈبلیو ایس آر ہڈسن جو بعد میں　　ہڈسن آف ہڈسنز ہارس کے نام سے مشہور ہوتے۔

۳؎ لفٹنٹ ولهر لوربس گریٹ ہیڈ (رائل انجینیرز)

۴؎ لفٹنٹ اے ڈبلیو مرے (جو ۴۲ ویں این ایل آئی میں تھے) ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہاوے میں مقتول ہوئے۔

۵؎ آنریبل آر کرزن جو کمانڈر انچیف کے فوجی سکریٹری تھے اور جو بعد میں "ارل ہو" کے لقب سے ملقب ہوئے

۶؎ جنرل ریڈ وہ صاحب ہیں جو لائی ۱۸۵۷ء کے دن جنرل برنارڈ کے ہیضہ سے انتقال کر جانے پر کمانڈر انچیف کی حیثیت سے ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

خیر ہم دیکھ لیں گے۔ تمہارا بہت گہرا صادق۔ ایچ برنارڈ

مراسلہ نمبر ۳ - جسے جنرل سر ہنری برنارڈ کمانڈر انچیف نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۸ جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

۱۸ جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس [1]

میں نے ابھی آپکی چٹھی پڑھی اور اس سے مجھے قدرے اطمینان ہوا۔ اسلئے کہ آپنے اس تجویز کو ناپسند کیا کہ میں اپنی مختصر سی فوج کو لیکر دہلی میں داخل ہونیکا خطرناک تجربہ کروں اس طرح سے کہ میرا کیمپ ہسپتال، ذخائر، خزانہ، الغرض میری فوج کا سارا سامان بالکل غیر محفوظ حالت میں پڑا رہ جائے۔

مجھے اقرار ہے کہ جو پولیٹیکل مشیر [2] میرے ساتھ کام کر رہے ہیں ان کی ترغیب وہی سے متاثر ہو کر میں اچانک اور زبردست حملہ کی تجویز پر رضامند ہو گیا تھا جس میں مذکورۂ بالا تمام امور کا خطرہ دامنگیر تھا۔ صرف حسن اتفاق تھا کہ یہ تجویز [3] عمل میں آنے سے رک گئی۔ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اسلئے کہ جو کچھ میں نے سنا ہے اور جن اشخاص سے مشورہ کرنا میرے فرض منصبی میں داخل تھا انکی آراء کا خیال کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ فتح اتنی ہی مہلک ثابت ہوتی جتنی کہ شکست۔

---

[1] سپاہیوں کی جنگ کی تاریخ مصنفہ کے میں اس مراسلہ کے اقتباسات کئے گئے ہیں اور وہاں غلطی سے یہ لکھدیا گیا ہے کہ یہ ملخصات برنارڈ کی ایک چٹھی سے اخذ کئے گئے ہیں جو انہوں نے سر جان لارنس کو لکھی تھی۔ اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقل لارنس کو بھی بھیجی گئی ہوگی اور بالآخر کے ہاتھوں میں پڑ گئی اور انہیں کوئی ایسی یادداشت نہ ملی جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ وہ کہاں سے دستیاب ہوئی۔

[2] ہاروے گریٹ ہیڈ جو پہلے میرٹھ کے کمشنر تھے اور اب میدانی فوج کے سیاسی مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

[3] ۱۱ جون کو جنرل برنارڈ کی خدمت میں ایک اطلاع بھیجی گئی تھی جسمیں کابلی دروازہ اور لاہوری دروازہ پر فوری حملہ کرنے کی مصلحت پر زور دیا گیا تھا۔ رپورٹ پر چار ماتحت افسروں (ولبرفورس گریٹ ہیڈ، میونسیل چیسنی (انجینیرز) اور ہڈسن (محکمہ خفیہ) کے دستخط ثبت تھے۔ موخر الذکر بعد میں ہڈسن آف ہڈسنز ہارس کے نام سے مشہور ہوئے۔

بہت زیادہ غور و تامل کے بعد برنارڈ نے اسکیم کو منظور کر لیا۔ ۱۲ - ۱۳ تاریخ کی رات کو تاریکی میں کیا جانے والا تھا لیکن جب مقررہ وقت پہنچا تو معلوم ہوا کہ تجویزہ مہم کیلئے جو فوج منتخب کی گئی تھی اس کا ایک اہم حصہ موجود نہیں ہے (بقیہ آئندہ)

جو فوج کہ ۲ ہزار سپاہیوں سے بھی کم ہو اور جو دہلی جیسے طول و عرض کے شہر میں پھیلی ہوئی ہو وہ کوئی (دقیق) فوجی طاقت نہیں رہ سکتی تھی۔ اور اس دغا بازی کے ہوتے ہوئے جس نے ہمارا چاروں طرف سے محاصرہ کر رکھا ہے۔ میرے سامان جنگ کی کیا حالت ہوتی ؟ (اگر عام حملہ کر دیا جاتا)

اس خیال سے کہ فوجی قانون میرا رہنما ہے (اگرچہ اس شور وشغب کا مقابلہ کرنے کیلئے جو اس بنا پر بلند کیا جائیگا کہ ہم دہلی کے سامنے کیوں بیکار اور معطل پڑے ہوئے ہیں اخلاقی دلیری کی سخت ضرورت ہے) تاہم ایں صرف بہترین اغراض حاصل کرنیکی کوشش کر سکتا ہوں۔ ضرب لگانے کیلئے مناسب موقع کا احتیاط کیساتھ مجھی انتظار ہے۔

مسٹر گریٹ ہیڈ نے جو اہم تجویز پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ دوآبے پر قبضہ حاصل کر لیا جائے دہلی سے علیگڑھ افواج بھیجی جائیں لیکن اگر میں شہر میں بھی ہوتا تو بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا قلعہ اور سلیم گڈھ ابھی تک میرے پیش نظر ہیں اور شہر پر قابض رہنا اور دو ہزار سے کم سپاہیوں کی مدد سے ان (مقامات) پر حملہ آور ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ میں ایک شخص کو بھی علیحدہ نہ کر دوں۔ حالت یہ ہے کہ دہلی توپوں سے پٹی پڑی ہے اور وہاں وہ سپاہی مقیم ہیں جو اگرچہ کھلے میدان میں چنداں اہمیت نہیں رکھتے تاہم ہتھر کی فصیلوں کے پیچھے رہکر کچھ نہ کچھ کارگزاری بالضرور دکھا سکتے ہیں اور جنہیں بھاری توپوں کے استعمال سے بھی کچھ واقفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہفتہ کے دن گولہ باری کی صحت و درستی سے ہمیں نیچا دکھا دیا، پس انبالہ والی فوج اور چھ توپیں رکھنے والی دو پلٹنیں[1] اسپر کبھی اپنا قبضہ نہیں جما سکتیں اور اس کی موجودہ طاقت کا بہت ہی کم اندازہ کیا گیا ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲) بریگیڈیئر گریوز نے احکام کا مطلب غلط سمجھا اور اسلئے وہ اپنے سپاہیوں کو لیکر مقررہ مقام پر نہ آسکے۔ دستہ اس طرح سے کمزور ہوگیا اور معرکہ کے لئے کسی حالت میں مضبوط نہ تھا اور اسلئے مجبوراً حملہ کرنے والی فوج کو اپنے کوارٹروں میں واپس آنے کے احکام صادر کر دیئے گئے۔

[1] نواب لفٹنٹ گورنر صوبجات شمال مغربی۔

باؤلی کی سرائے پر ہم ایک معرکہ سر کر چکے ہیں۔ جہاں باغی اس وقت تک ہمارا خوفناک مقابلہ کرتے رہے جب تک کہ انکی توپیں ان کے قبضہ میں رہیں۔ اسکے بعد سے پیہم پیہم حملے ہو رہے ہیں۔ ہر نیا حملہ جوش وخروش سے کیا جاتا تھا۔ مگر بھاری نقصان کیساتھ پسپا کر دیا جاتا تھا۔ اور اب ہم اس پوزیشن پر قابض ہو گئے ہیں جہاں سے اس مقام کو منہدم کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک بہترین پالیسی یہ ہے کہ اسے مشکل کام کی طرح اصلی رنگ میں دیکھا جائے اور یہ امر اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے کہ اسے کافی فوج کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچایا جا سکتا

ذرا ایک مرتبہ ہم شہر میں پہنچ جائیں پھر تو بازی ہماری ہے بشرطیکہ ہم اس پر قبضہ رکھ سکیں اور پھر جب کبھی مسٹر کالون کو جس کسی مقصد کیلئے فوج کی ضرورت ہوگی وہ انہیں مہیا کر دی جائیگی

تاخیر سخت تکلیف دہ ہے اور روزانہ ان حملوں میں سپاہیوں کا ضائع جانا نہایت دل شکن معلوم ہوتا ہے۔ میں بخیریت ہوں۔ البتہ پریشان بہت زیادہ ہوں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جتنا زیادہ میں خیال کرتا ہوں اتنا ہی زیادہ مجھے بے معنی اور بے نتیجہ تجربہ کے عمل میں نہ آنے کی خوشی ہوتی ہے۔ اور یہ دیکھنے سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے کہ آپ بھی میرے ہم خیال ہیں

میری توقع صرف اس قدر ہے (جسے اور لوگ اب غالباً معلوم کر لیں گے) کہ مجھے دہلی میں داخل ہو جانے کے علاوہ اور بھی کچھ کام کرنا تھا۔

یقین رکھئے کہ میں اب کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دونگا۔

آپ کا صادق۔ ایچ۔ ایچ۔ برنارڈ

کل ہم نے انہیں خوب سزا دی اور بھاری نقصان پہنچایا۔ انہوں نے کشن گنج ٹریولین گنج اور پہاڑ پور میں اپنے تئیں قایم کرنے اور توپخانہ جمانے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے دو مختصر دستوں کے ذریعہ جو میجر ٹومس ایچ اے اور میجر ریڈ (مسوری بٹالین) کی کمان میں تھے انہیں نہ صرف ان مقامات سے ہٹا دیا بلکہ سرائے کے بالائی حصہ کو ان سے بالکل صاف کر دیا۔ اور شہر کے اس حصہ سے ہم نے ان سب کو نکال دیا۔ سنا ہے کہ اس کا اثر

نہایت پست کن اثر پڑا۔ اور یہ کہ وہ بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ لیکن فصیلوں سے جو گولہ باری وہ کرتے ہیں وہ ویسی ہی صحیح اور زوردار ہے جیسی کہ پہلے تھی اور تا وقتیکہ ہم اپنے مقصد پر نہ پہنچ جائیں ہم کچھ مفید کارروائی نہ کر سکیں گے اور عملی کام کی یہ حالت ہے کہ اس وقت کے باوجود جو توپخانہ و سامانِ حرب وغیرہ کے حاصل کرنے میں برداشت کرنی پڑتی ہے۔ میرے توپخانہ کا کمانڈرنگ افسر صرف چھ توپوں کے چلانے کا انتظام کر سکتا ہے! اور میرے انجنیر کے پاس ریت کا ایک بھی تھیلا موجود نہیں۔ یہ درحقیقت حد سے زیادہ تکلیف دینے والی بات ہے۔ میں نے اس وقت تک کبھی باقاعدہ پوزیشن کرنے کا خیال نہیں کیا جبتک کہ مجھے یہ امید نہ ہوگئی کہ جو توپیں بھی میرے خلاف لائی جائیں گی میں انہیں خاموش کر دونگا۔

لیکن اس کام کو انجام دینے کی غرض سے ان کے اور زیادہ قریب تک پہنچنے کی ضرورت ہے، تاخیر باغیوں کو ایک جگہ مجتمع کر دیتی ہے۔ اور حملہ کو نہایت زوردار بنا دیتی ہے۔ لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسی کارروائی مہلک اثرات بھی اپنے میں رکھتی ہے تاہم میں سچائی کے ساتھ یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جب انہیں دہلی کے دروازے بند کرنیکا موقع دیا گیا تھا تو اس وقت ہم اس سے زیادہ کر سکتے تھے جتنا کہ ہم نے کیا۔

اگر میرٹھ کی فوج فی الفور دہلی میں گھس جاتی تو سب کچھ بچایا جا سکتا تھا۔ لیکن جب انبالہ والی فوج مقام مقصود پر پہنچی ہے تو موقع بالکل ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

سب سے بڑا میگزین اور سامانِ جنگ کا ڈپو اس سے پیشتر سے میرے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا۔ میرے سپاہی اچھی طرح ہیں اور زخمی خاطر خواہ طریقہ سے روبصحت ہو رہے ہیں لیکن سب کے سب اس کام سے تھک گئے ہیں۔

ہمیشہ آپ کا۔ ایچ۔ ایچ۔ بی۔

مرسلہ نمبر ۴۔ جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج محاصرہ دہلی سے

جارج کارنک بارنس کے نام ۱۹ر جون ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ محاصرۂ دہلی۔ ۱۹ر جون ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس

مسٹر رچرڈز۔ پیر کے دن پانی پت چلے گئے۔ اور یہ خبر ہیں نے اس وقت سنی جبکہ میں سڑک پر سے گزر رہا تھا۔ ان کی موجودگی سے کسی حد تک وہ دہشت رفع ہوگئی تھی جو افسروں اور ڈاک کے ٹھیکہ داروں ہیں اس دھاوے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی جسے دہلی کے ۲۰۰ سواروں کی پارٹی نے علی پور پر کیا تھا۔ بظاہر وہ تحصیلدار کی تلاش میں تھے تحصیل میں پٹیالہ کے سواروں کے مختصر دستے کے جتنے گھوڑے موجود تھے وہ سب کو لوٹ کر لے گئے۔ جونہی کہ پنجاب کے بے قاعدہ سوار پہنچ جائیں گے۔ ہم انکی اس کارروائی کا انتقام لے لیں گے۔

مجھے رہتک کو راجہ صاحب جیند کے چارج میں رکھنے سے بہت خوشی ہوگی لیکن سر ایچ برنارڈ (فی الحال) ان کی فوج کو علیحدہ نہیں کر سکتے، اور اس کے بغیر ان کیلئے حملہ کی کوشش کرنا بے سود ہوگا۔

اگر پٹیالہ کچھ فوج دے سکے اور آپ کو حصار کی جانب پنجاب سے افواج کی نقل و حرکت کی کچھ خبر نہ ملے، تو (اس صورت میں) میں بخوشی تمام اس امر پر رضامند ہو جاؤں گا کہ اس ضلع کو عارضی طور پر ان کی حفاظت میں دیدیا جائے۔ ایسا کرنا درحقیقت ان باشندوں پر رحم کھانا ہوگا جو ہانسی اور حصار دونوں سے امداد کے طالب ہو رہے ہیں۔ آپکی اس تجویز پر عمل پیرا ہونے سے مجھے بہت خوشی ہوگی اور اگر انتظام ہو جائے تو میں مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں خط[1] لکھ دونگا۔

میرا خیال ہے کہ نواب صاحب جھجر نے ناقابل علاج طریقہ سے سازباز کی ہے لیکن ان کا علاقہ دہلی کا مددگار ہو رہا ہے۔ (فی الحال) دفع الوقتی کرنی چاہئے۔ نواب صاحب

[1] سرکاری مرسلہ ۲۰۰۰ تحت

بہادر گڈھ فرار ہو جانے پر مجبور ہو گئے ہیں اور سابق حکمران نسل کا کوئی شہزادہ گدی پر بٹھا دیا گیا ہے۔ باقی روسا غیر جانبداری برقرار رکھنے میں سخت جدوجہد کر رہے ہیں۔

ذخائر کی ہمارے پاس کافی سے زیادہ افراط ہے (البتہ) روپیہ کی کمیابی ایک ایسی مشکل ہے جسکی نسبت ہمیں امید تھی کہ دہلی کے سر ہو جانے سے جاتی رہیگی خزانہ اور دفتر کمسریٹ کے جو صاحب افسر انچارج ہیں۔ میں انکی چٹھیاں آپکے پاس بھیج رہا ہوں۔

جب میں وہاں سے روانہ ہوا تھا تو اس وقت تقریباً ۴ لاکھ تھے میں بہت زور سے سفارش کرتا ہوں کہ جو فوجیں اب یہاں آرہی ہیں ان کے ہمراہ آپ روپیہ کی ایک معقول مقدار ضرور بالضرور بھیجدیجئے۔

مجھے اپنا صادق یقین کیجئے۔ ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

مراسلہ نمبر ۵۔ جسے بریگیڈیر جنرل نیویل چیمبرلین ایجوٹنٹ جنرل نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۲ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقابل دہلی۔ ۱۲ر جولائی ۱۸۵۷ء وقت ایک بجے دوپہر۔

مائی ڈیر بارنس۔

اب جبکہ کرنال ہمارے محفوظ سامان حرب اور ذخائر کا ڈپو بن گیا ہے ہمیں وہاں پیدل فوج کا ایک دستہ رکھنا چاہیئے اور چونکہ اس کیمپ سے ہم ایک آدمی بھی نہیں دے سکتے ہمیں حسب معمول سپاہیوں کی بہم رسانی کے لئے پنجاب سے توقع رکھنی چاہئے براہ مہربانی اس مسئلہ کے متعلق لاہور سے نامہ وپیام کیجئے اور اگر اور سپاہی نہ دستیاب ہوسکیں تو کم سے کم سکھ سپاہیوں کی ۴ پلٹنوں کو حاصل کرنیکی سعی کیجئے۔ ہمارا عقب کھلا اور خاموش رہنا چاہیئے اور یہ ہماری فاش غلطی ہوگی اگر ہم اپنے ذخائر کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ جائیں گے یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے مزید افواج کا مطالبہ کیا ہے اور میں اب بھی ایسا نہ کرتا لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہم ایک آدمی کو بھی علیحدہ نہیں کر سکتے۔ ۹ جون کو ایک سخت معرکہ میں ہمارے ۲۰۰ سپاہی

ضائع ہوئے جن میں مقتول، مجروح اور بیمار سب شامل ہیں۔ اور اس خط کے تحریر کرتے وقت بھی ہم باہر نکلنے (یعنی حملہ کرتے) کیلئے آمادہ ہیں۔ چاروں طرف سے حملہ کی دھمکی دی جا رہی ہے۔

میں نے انتخاب کرنال کی سفارش اسلئے کی تھی کہ اس کا ہمارے کیمپ سے کافی آسانی کیساتھ سلسلہ نامہ و پیام قایم کیا جا سکتا ہے اور نیز یہ کہ وہ شہر سے اس قدر فاصلہ پر ہے کہ اچانک حملہ کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ میرٹھ۔ سہارنپور۔ اور مظفر نگر تک وہاں سے نامہ و پیام کیا جا سکتا ہے اور چونکہ وہاں کے نواب صاحب ہم سے برسر صلح ہیں اسلئے مقامی شورش کا بہت ہی کم امکان موجودہ موسم میں دریائے مارکنڈ[1] کا کچھ بھروسہ نہیں اور اسلئے بارود اور ذخائر کو اس کے قرب و جوار میں نہ رکھنا چاہیے۔

سننے میں آیا ہے کہ بعض باغی شکاری توپ کی ٹوپیاں استعمال کر رہے ہیں (لہذا) تمام دوکانداروں اور تمام فرقوں کے دیگر اشخاص جو ان چیزوں کی تجارت کرتے ہیں۔ ان تمام اشیا کے چھین لینے کی فوری کارروائی عمل میں آ جانی چاہیے۔ تاکہ آتش گیر اور زور سے پھٹنے والی بارود کی قسم کی کوئی شے وہ اپنے پاس نہ رکھ سکیں۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ وہ مجموعی مقدار پر قبضہ کرے اور ایک رسید دیدے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ چوتھے لانسرز کے ہتھیار رکھوا لئے جائیں گے اور یہ کہ ادین ایل ہی نہیں آ رہی ہے جب تک آپ ہمارے عقبی حصہ ملک کو خاموش رکھے رہیں گے اور ہمیں ذخائر و سامان دیتے رہیں گے ہماری حالت ٹھیک رہیگی یا کم سے کم ہم اس وقت تک مقابلہ کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ دن نہ آ جائے کہ دوسرے اشخاص ہماری جگہ لینے کیلئے تیار ہو جائیں

آپ کا صادق نیویل چیمبرلین[2]

---

[1] کرنال اور انبالہ کا درمیانی دریا۔ [2] چیمبرلین کو جان لارنس نے اول پنجاب کے متحرک دستہ کا کمانڈر بنایا تھا لیکن کرنل چیسٹر کی وفات پر جو بادلی کی سرائے والے معرکہ میں مقتول ہو گئے تھے وہ ایجوٹنٹ جنرل بنا دیئے گئے۔

مراسلہ نمبر ۹ جسے لفٹننٹ ہنری نارمن قایم مقام ایجوٹنٹ جنرل نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۹ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقابل دہلی - ۱۹ر جولائی ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر مسٹر بارنس۔

چیمبرلین نے مجھے آپ کی ۱۷ر تاریخ کی چٹھی دی تاکہ میں ایک دو باتوں کا جواب دوں کرنال کے ذخایر توپخانہ کا انتظام کپتان نیچ بل کے سپرد کیا جانے والا تھا مگر وہ بیمار ہو جانے کے سبب انبالہ ہی میں رہ گئے ہیں اسلئے میں نے توپخانہ کے کسی ڈپٹی اسسٹنٹ کمشنر کو یا فیروزپور سے ادائگی فرائض کیلئے کسی مستقل کنڈکٹر کو بذریعہ تار بلا بھیجا ہے اگر کپتان نیچ بل صحت یاب ہو گئے تو بلاشبہ ابتدائی حکم (جیسے مسٹر لی بیس کے ذریعہ پہنچایا گیا تھا) بدستور قایم رہیگا۔

جو افسر کہ پرائیویٹ چھٹی پر گئے ہوئے تھے ان سب کو واپس آجانیکا حکم ۱۴ر مئی کو دیدیا گیا ہے اور اس حکم کو کچھ عرصہ کے بعد دُہرا بھی دیا گیا تھا۔ اور ہمارے محکمہ کے کپتان بیکر نے یہ اطلاع دی ہے کہ اس حکم کی تعمیل ہو چکی ہے مجھے کسی ایسے افسر کا حال معلوم نہیں ہو سکا جس نے تعمیل نہ کی ہو۔ اگرچہ بعض نے بیماری کے سرٹیفکٹ حاصل کر لئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب کرنال میں کافی فوج موجود ہے۔

اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں اگر آپ بریگیڈیر ہارٹلی سے یہ درخواست کریں کہ وہ پانچویں بٹالین کے دو افسروں کو کرنال میں کام کرنے کی غرض سے بھیجدیں بشرطیکہ انکی وہاں (واقعی) ضرورت ہو لیکن اگر کوئی افسر نہ مل سکے تو ایک (لفٹننٹ چیسٹر کے جونیر افسر) کو بآسانی نوشہرہ کی بٹالین مقیم سہارنپور کے ساتھ کام کرنے کیلئے بھیجا جا سکتا ہے ہمنے دشمن کو کل سہ پہر کیوقت بلا کسی دقت کے سبزی منڈی سے باہر نکال دیا۔ ہمارے نقصانات ۱۳ مقتول اور ۶۰ زخمی تھے افسروں کے کل کے مجموعی نقصانات یہ ہیں لفٹننٹ کروزیر (۵، دیں

سقتول (انیسائن و الٹر (۵۴ ویں دیسی پیدل فوج) جو دوسری فیوزلیرز کیساتھ کام کر رہے تھے سرسام کی وجہ سے مرگئے۔ لفٹننٹ جونز (انجنیرز) کی ٹانگ کاٹ ڈالی گئی۔ لفٹننٹ پالٹوں ۶۱ ویں پیدل فوج) سخت مجروح ہوئے۔ اور لفٹننٹ چیپسٹر (توپخانہ) خفیف طور پر زخمی ہوئے۔

اب اور پٹھانوں کو مت بھیجئے یہ چیمبرلین کی خواہش ہے اور اس کیلئے وجوہ ہیں بلاشبہ آپ انہیں اس وقت بھیج سکتے ہیں جبکہ کوئی رسالہ آ رہا ہو اور وہ بھی اس میں موجود ہوں لیکن جتنے کم ہوں اتنا ہی بہتر ہوگا۔

آپ کا زیادہ مخلص۔ ایچ۔ اے۔ نارمن۔

مراسلہ نمبر ۷۔ جسے لفٹننٹ ڈبلیو ایس۔ آر ہڈسن نے جے ڈگلس فارسیتھ ڈپٹی کمشنر انبالہ کے نام ۲۹ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

دہلی کیمپ۔ ۲۹ر جولائی ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر فارسیتھ

جو بوڑھی خاتون بہ نفسِ نفیس اس مراسلہ کے ہمراہ آ رہی ہے وہ محاصرۂ دہلی کی مکمل و مجسم داستان ہے۔

وہ ہمارے خلاف شہر میں جہاد کا وعظ کہتی تھی اور اپنے مواعظ و نصائح سے تعجب خیز طریقہ پر مسلمانوں کے دلوں میں جوش پیدا کر دیا تھا۔ بالآخر اُن کی عدم کامیابی سے متنفر ہو کر وہ خود میدانِ جنگ میں اتر آئی اور سبز لباس پہن گھوڑے پر سوار ہو اور تلوار و بندوق سے مسلح ہو کر اس نے سواروں کے ایک دستہ کی کمان لی اور ۷۵ ویں پیدل فوج پر حملہ آور ہوئی سپاہیوں کا بیان ہے کہ اس ایک کا مقابلہ کرنا ۵ سپاہیوں کے مقابلے سے زیادہ مہلک تھا اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے اُن کے رفقا میں سے بہت سوں کو نشانہ بندوق بنا دیا۔ آخر کار وہ زخمی ہو کر گرفتار ہو گئی جنرل نے اول اول اُسے آزادانہ طور پر چلے جانے کی اجازت دینی چاہی تھی مگر میں نے اُن سے بمنت درخواست کی کہ وہ ایسا نہ کریں اسلئے کہ وہ پھر شہر میں فاتحانہ طریقہ سے

داخل ہو گی اور ہمارے قبضہ سے نکل جانے پر تعصب کا طوفان بے تمیزی مچادے گی اور بلاشبہ یہ ظاہر کرے گی کہ وہ اپنی کرامت کی وجہ سے بچ گئی ہے اور اس طرح سے جون[1] آف آرک کا سا رتبہ حاصل کرے گی۔

مجھے اسکو آپ کے پاس بھیجنے کی اجازت مل گئی ہے۔ تاکہ وہ جیلخانے میں بحفاظت تمام رکھی جائے یا جہاں کہیں آپ مناسب خیال کریں تاوقتیکہ یہاں کا کام ختم نہ ہو جائے کیا آپ براہ مہربانی اس امر کی نگہداشت رکھیں گے کہ اس کا طرز عمل قابل اطمینان ہے یہ کہتے ہوئے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اس بڑھیا کھوسٹ نے معقول اثر پیدا کر لیا تھا

آپ کا زیادہ مخلص ڈبلیو۔ ایس۔ آر۔ ہڈسن

مراسلہ نمبر ۸ جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کا رنگ بارنس کو ۵ اراگست ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ مقابل دہلی۔ ۱۵ اراگست ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس

مولوی رجب علی (صاحب) نے مجھ سے خواہش کی کہ میں آپ کو یہ اطلاع دوں کہ

نوٹ (اس سبز پوش عورت کا ذکر خطوط ہذا کے آخر میں ذرا تفصیل سے درج کیا گیا ہے)

حسن نظامی

[1] یہ خاتون "آرلینز کی کنواری عورت" کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے۔ یہ فرانس میں مینسی کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ سنہ پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن چونکہ وہ عین عالم شباب میں ۱۴۳۱ء میں جلادی گئی تھی اسلئے بالضرور پندرہویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہوئی ہوگی۔ مارچ ۱۴۲۹ء کا واقعہ ہے کہ شہر آرلینز کو انگریزی افواج نے محصور کر رکھا تھا یہ فرانس کے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس گئی اور کہا کہ مجھے غیب سے یہ کام سپرد ہوا ہے کہ میں شہر کو بچالوں اور آپ کی تخت نشینی کا انتظام کروں۔ پارلیمنٹ کے سوال و جواب پر اسے وزیر جنگ بنادیا گیا اور وہ پھر اپنے مشن کی تکمیل پر روانہ ہوئی اس نے ڈیونوائے اور ایلنکون جیسے بہادر سپاہیوں سے خراج تحسین وصول کیا اور اپنی ذاتی دلیری اور بسالت سے افواج میں غیر معمولی جوش پیدا کر دیا۔ اس نے بالآخر آرلینز کو بچا لیا (۸ مئی) ۱۷ جولائی کو تخت نشینی کے مراسم ادا ہوئے۔ اس کے بعد اس نے پیرس کی جانب اپنی توجہ مبذول کی (بقیہ آئندہ)

انہوں نے حکیم احسن اللہ (صاحب) کے نام ایک مراسلہ بھیجا تھا جو مجھے پڑھکر سنایا گیا تھا۔ اور میرا یہ خیال تھا کہ اس سے کچھ ضرور نہ پہنچے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے حکیم (صاحب) بادشاہ اور باغیوں کے منصوبوں کے اندرونی راز بتانے کے قابل ہو جائیں مولوی (صاحب) کہتے ہیں کہ اسکے باعث حکیم (صاحب) کی سخت بے عزتی ہوئی (اسلئے کہ) وہ مراسلہ سپاہیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا جنہوں نے ان کے مکان کی تلاشی لے ڈالی۔ لیکن اس کا مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا ہے (کہ حکیم احسن اللہ خان کی تلاشی لی گئی یا ان کو کچھ نقصان پہنچا)

کیمپ کی حالت میں نمایاں ترقی ہو گئی ہے۔ ہم ہر لحاظ سے آرام سے ہیں اور ابھی تک افواج کی صحت اچھی ہے جس کے لئے ہم (خدا کے) شکرگزار ہیں۔ دشمن کو تمام مقامات پر اور تمام جنگی چالوں میں کلیتہً ناکامی ہوئی ہے جب تک کہ قلعہ شکن توپیں مع پورے ساز و سامان کے نہ پہنچ جائیں اس وقت تک کسی زبردست جنگی کارروائی کا فیصلہ کرنا بالکل بے سود ہے۔ اور اس وقت تک یہ معلوم ہو جائیگا کہ آیا جنرل ہاویلاک کا انتظار کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اب تک تو ہر بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اودھ کی باغی فوجوں کا بہت جلد صفایا ہو جائیگا۔ مجھے آگرہ سے یہ خبر ملی ہے کہ ۲½ ہزار نیپالی افواج جنرل ہاویلاک سے لکھنؤ کے مقام میں ملنے والی تھیں ڈیمنڈ کو بالآخر آگرہ کے دیسی افسروں کی نالائقیوں کی سزا بھگتنی پڑی انہوں نے ان پر اعتماد کیا اور وہی اسٹیشن کو تباہ و برباد

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱) کی لیکن اس میں اسے ناکامی ہوئی اور وہ زخمی ہو گئی۔ ۱۴۳۰ء میں اس نے کمپین کے مشہور شہر سے نکلکر ایک شبخون مارا مگر گرفتار ہو کر انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دی گئی۔ اسے رواں میں مقید کیا گیا اور اس سے سخت تشدد کا سلوک روا رکھا گیا ۹ جنوری ۱۴۳۱ء کو اس پر مقدمہ چلایا گیا یہ عدالتی کارروائی محض برائے نام تھی اسلئے کہ جتنا وہاں انصاف کا خون ہوا ہے اتنا کہیں نہیں ہوا ہوگا۔ بوئے کے بشپ کی گواہی پر اسپر جادوگری کا الزام لگایا گیا اور اسی جرم کی پاداش میں اسے ۳۰ مئی ۱۴۳۱ء کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس وقت سے اسے تقدس کا درجہ دیدیا گیا ہے اور مغرب کے مصوروں نے اسکی تصاویر بنا کر اسے غیر فانی بنا دیا ہے۔ مترجم

کرنے میں پیش پیش تھے۔ پانی پت میں ۳۲۲۰۰۰ روپیہ امد محاصل میں موصول ہوا ہے اور میرٹھ والوں نے اپنے خزانوں کو بھرپور کر لیا ہے۔ ہڈسن گائڈز رہنماؤں کے ساتھ باہر گئے ہیں اور وہاں وہ ان باغیوں کے دستہ کی دیکھ بھال کریگا جو رہتک چلا گیا ہے۔ ان باغیوں کا یہ ارادہ تھا کہ وہ ایسے چند دستوں کو باہر بھیجیں تاکہ وہ ملک کو شورش پر آمادہ کر سکیں لیکن کسی شخص نے کہا کہ احسن اللہ (صاحب) کی ایک چال ہے تاکہ وہ دہلی کی فوج کو اسکے کچھ حصہ کو باہر بھیجکر کمزور کردیں اور پھر شہر کو ہمارے قبضہ میں کرادیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ نے جیند کی افواج کے ذریعہ رہتک کے بعض حصّوں کو قبضہ میں لانے کی تجویز پر (ابھی تک) عمل درآمد نہیں کیا ہوگا۔ بلاشبہ آپکے پاس ایسی کارروائی نہ کرنے کے کافی وجوہ ہیں۔ بریگیڈیر والیٹائل کو آگرہ میں برطرف کردیا گیا ہے اور کرنیل کاٹن اب ان کی جگہ براج رہے ہیں۔

آپ کا صادق۔ ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ۔

مراسلہ نمبر۔ جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ۔ ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس۔

لی بیس کی خواہش ہے کہ گوہانہ میں مالگزاری جمع کرنے کی غرض سے ایک تحصیلدار کا تقرر کردیا جائے۔ میں انہیں فی الفور اس کارروائی کے کرنے کا مجاز نہیں بناتا اسلیئے کہ مہاراجہ صاحب جیند کے انتظامات سے تصادم ہوجانے کا اندیشہ ہے لیکن اگر راجہ صاحب کچھ نہ کررہے ہوں تو میری خواہش ہے کہ آپ لی بیس سے کہدیں کہ وہ بہترین طریقہ سے مالگزاری جمع کرنے کا انتظام کردیں۔

مجھے یقین نہیں آتا کہ لکھنو کے لئے کسی قسم کا خطرہ موجود ہے۔ ہاویلاک بٹھو

کیا گیا مگر ہمارا نقصان بالکل خفیف رہا لفٹننٹ ہائل۔ یریند (توپخانہ) اور لفٹننٹ ہنر ہین (بلوچی) مقتول اور لفٹننٹ بڈ (توپخانہ) زخمی ہوئے اور تقریباً ۴۰ سپاہی مقتول و مجروح ہوئے۔ گذشتہ شب سے لیکر صبح کے دس بجے تک صرف تین آدمی زخمی ہوئے موری (دروازہ) اور کشمیری (دروازہ) پر نشانہ بازی نہایت موثر رہی۔ گزشتہ رات کو ۲۲ چھوٹی توپیں نصب کی گئی تھیں اور ایک اور بھاری توپوں کی بیٹری بھی تیار ہے اور جب یہ سب نصب ہو جائیں گی تو آتشبازی سخت خوفناک ہوگی۔ میرے بھائی دیلیؔ مغربی حملہ کے انچارج (منتظم) ہیں مجھے ان کے پاس سے ابھی ایک دلچسپ اور بہت افزا مراسلہ ملا ہے۔ وہ زبردست پیمانہ پر توپخانہ کے حملہ کو شروع کرنیکے لئے پرسوں کا دن منتخب کرتے ہیں جس رفتار سے برائیڈا اپنی دس توپوں سے کام لے رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہ کہہ جاسکتا ہے کہ اس وقت تک موری (دروازہ) کا بہت ہی کم حصہ باقی رہ جائے گا۔

آپ کا صادق

ایچ۔ ایچ۔ گریٹ ہیڈ

مراسلہ نمبر ۱۱۔ جسے ہنری گریٹ ہیڈ مشیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

کیمپ۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس۔

فی الحال موری دروازہ کا برج بھاری توپوں کے نصب کرنے کے قابل نہیں ہے تاہم ملکی توپیں وہاں سے کبھی کبھی دھوکہ دینے کی غرض سے چھوڑ دی جاتی ہیں۔ کشمیری دروازہ کا برج موثر طریقے سے خاموش کردیا گیا ہے اور اب وہ کھنڈرات کا ایک ڈھیر ہے اور توپوں کے جو گولے وہاں پھینکے جارہے ہیں ان کی موجودگی میں

۱؎ لفٹننٹ ولبر فورس گریٹ ہیڈ، رائل انجینیرز۔

اس مقام پر کسی کو ٹکنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ برج کے دائیں حصہ والی فصیل میں بہت
بڑا سوراخ کر دیا گیا اور ہمارے گولے اس شگاف کو بتدریج وسیع کر رہے ہیں بائیں
جانب کی شگاف ڈالنے والی بیٹری نے جو کسٹم ہاؤس کے کمپاؤنڈ (احاطہ) دیوار سے
۸۰ گز کے فاصلہ پر نصب کی گئی تھی، صرف کل سے گولہ باری شروع کی ہے۔ اس
توپخانہ کی تعمیر میں بے انتہا مصائب کا سامنا ہوا اور (جنگی) کارروائیوں میں تعویق بھی
ہو گئی۔ پہلے پہل اسے قدسیہ باغ میں نصب کرنے کا ارادہ تھا۔ جہاں وہ زیادہ حفاظت
میں اور سرعت کے ساتھ تیار ہو سکتا تھا۔ مگر اس کے اور فصیل کے درمیان نئی دشواریاں
حائل نظر آئیں جو کسی نقشہ میں درج نہ تھیں اور (اسلئے) سامنے کی جانب بہت سی نئی زمین کو
بھی ایسے فاصلہ سے درست کرنا پڑا۔ جہاں مزدوروں پر بہت شد و مد سے آتشبازی
ہوتی رہی۔ بیٹری (توپخانہ) کل سہ پہر تک تیار نہ ہو سکی اور اب وہ پانی کے برج اور درمیانی
دیوار کے خلاف استعمال کی جا رہی ہے لیکن یہ کام سخت محنت اور جانفشانی کا ہے۔ ہر
شخص کو کپتان فیگن کی موت کا افسوس ہے۔ جن کے بیٹری چلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد
سر میں گولی لگی۔ وہ حد سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے۔ اور خطرہ میں خود کو ڈالنے سے
روکے نہیں جا سکتے تھے گولی لگتے وقت اُن کا نصف جسم خندق کے باہر تھا اور وہ یہ
دیکھ رہے تھے کہ نشانہ بازی کہاں سے کی جائے۔ جن خطرات اور دشواریوں پر قابو
حاصل کیا گیا ہے وہ سخت خوفناک ہیں۔ توپخانہ کے افسروں کو آرام کرنے کا ذرا سا بھی
موقع نہیں ملا اور جب سے توپخانے مصروفِ جنگ ہوئے ہیں وہ شب و روز کام میں
لگے ہوئے ہیں۔ شہر کی براہِ راست آتشبازی میں معتدبہ کمی آ گئی ہے۔ لیکن دشمن غیر
متوقع مواقع پر جدید توپیں چڑھانے میں بڑا ماہر اور ہوشیار معلوم ہوتا ہی (اور) وہ
اس میدان سے جو ہماری دائیں جانب واقع ہے خوفناک قسم کی تباہ کرنے والی آتشبازی
کر رہا ہے۔ اور ہماری بائیں جانب دریا کی طرف سے دو توپوں کے ذریعہ بھی اس کی

گولہ باری ہنوز جاری ہے سلیم گڈھ بھی ہماری تمام مغربی بیٹریوں پر گولے اور بم پھینک سکتا ہے ان تمام دقتوں کے باوجود ہماری کارروائیاں ترقی کر رہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حملہ کل یا پرسوں شروع ہو جائیگا۔ کمانڈنگ افسروں کو کل ہدایات مل گئیں۔ تمام مقامات پر حفاظتی تدابیر کا پورا پورا انتظام کر لیا گیا ہے۔ صرف باہر نکلکر ان کے اچانک حملوں کی روک تھام کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔ اور وہ ان حملوں کا (کچھ بھی) انتظام نہیں کر سکتی محصور فوج میں سے سپاہیوں کے فرار ہو جانے کے متعلق مجھے کوئی باوثوق اطلاع نہیں ملی ہے۔ محاصرہ بچوں کا کھیل نہیں ہے لیکن کوئی قوت ہماری افواج کی جانبازانہ بہادری میں مزاحم نہیں ہو سکتی اور تمام امور کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارے نقصانات بھاری نہیں خیال کئے جا سکتے۔ بعض افسروں کے نام اوپر بیان کر دئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ حسب ذیل نقصانات ہوئے ہیں۔

زخمی

میجر کیمپل ...	...	...	توپخانہ
لفٹننٹ ارل ...	...	...	"
" گلیپی ...	...	...	"
چانسلر ...	...	...	۷۵ ویں
رینڈل ...	...	...	۵۹ ویں دیسی پیدل فوج
لانگ ہارٹ ...	...	...	"
ایٹن ...	...	...	۶۰ ویں رائفلز

مجھے اور کسی کا نام یاد نہیں آتا۔ ولیم ایڈورڈز فتح گڈھ کے قریب کسی گاؤں میں پردیں اور ان کے بال بچوں سمیت بحفاظت تمام زندہ ہیں۔ مجھے غریب باپ تھارن ہل کا افسوس ہے وہ اچھا آدمی تھا۔

شمال مغربی حصہ میں ہمارے پاس افسر کم رہ گئے ہیں ۔ مسٹر کالون پیچش میں مبتلا ہیں ۔ انہوں نے موقع ملتے ہی چلے جانے کا ارادہ مصمم کر لیا ہے اور میں اپنے نظام کو کلی طور پر از سر نو مرتب کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا آئی ۔ پی گرانٹ اگزیکٹو رعمال اکے ہاتھ مضبوط کرینگے یا نہیں ۔ میرے آدمیوں نے بسا اوقات مسز بارنس کا ذکر کیا ہے ، اور وہ ان کی خیریت مزاج معلوم کرنے کے ہر وقت شایق رہتے ہیں ۔

مجھے یقین کیجئے آپ کا صادق

ایچ ۔ ایچ ۔ گریٹ ہیڈ ۔

مراسلہ نمبر ۱۲ ۔ جسے ہنری گریٹ ہیڈ سفیر سیاسی متعینہ افواج نزد دہلی نے جارج کارنک بارنس کے نام ۱۶ ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا ۔

دہلی ۔ ۱۶ ر ستمبر

مائی ڈیر بارنس ۔

میں نے لڈلو کیسل کی بلندی سے حلہ کا مشاہدہ کیا ۔ میں نہیں خیال کر سکتا کہ کوئی شخص زیادہ عرصہ تک ان چند لمحات کی پریشانی کو برداشت کر سکتا ہے ۔ جو دستہ کے سرداروں کے غائب ہونے اور اس کے شگاف تک پہنچنے کے لئے گزرنے ضروری ہیں جو آتشباری فصیلوں سے پانی کے برج والے سوراخ کے خلاف کی جا رہی تھی وہ ایسی شدید تھی کہ صرف دو سیڑھیاں کھائی (خندق) تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں میرے بھائی دلی توپخانہ سے اس شگاف تک جاتے جاتے زخمی ہو گئے ۔ گولی انکے دائیں ہنسلی سے گزر کر سینہ کے پار اتر گئی ۔ دوسرے بھائی حملہ کے تمام خطرات برداشت کرنے کے بعد بچ گئے اور خدا کا شکر کہ وہ اب بالکل تندرست و توانا ہیں ۔ کشمیری دروازہ کی فصیل کے سوراخ تک سیڑھی لگا کر پہنچے اور دروازہ کو بارود کے ذریعہ اڑا دینے اور

۱؎ مسٹر کالون ۹ ستمبر کو انتقال کر چکے تھے ۔ ۲؎ لفٹنٹ ولبرفورس گریٹ ہیڈ رائل انجینیرز (آئندہ)

اندر داخل ہو جانے کی کارروائی بہت کامیاب طریقہ سے عمل میں آئی۔ یہ سب کچھ دن دہاڑے ہوا نکلسن کا دستہ فصیلوں کے گرداگرد تاخت کرتا ہوا لاہوری دروازہ کے برج تک پہنچ گیا۔ وہ زخمی ہو گئے۔ سامان جنگ میں کمی ہو گئی اور انہوں (باغیوں) نے پلٹ کر پھر کابلی دروازہ پر حملہ کر دیا۔ کرنیل کیمبل کا دستہ جو جانباز اور بہادر پشکاف کی زیر کمان تھا۔ نہایت شاندار طریقہ سے جامع مسجد پہنچ گیا۔ ان کا انجینیر افسر گولی کھا کر مارا گیا۔ اور ریت کے تھیلے پیچھے رہ گئے۔

اور آدمی ٹینڈی اور براؤن (انجینیرز) کے ماتحت بھیجے گئے اول الذکر مقتول اور مؤخر الذکر زخمی ہو گئے۔ لاہوری دروازہ والے حصہ سے کوئی امداد نہیں آئی اور اس لئے کیمبل کو پسپا ہونا پڑا۔ پہلے بیگم کے باغ کی جانب جسے وہ ایک گھنٹہ تک اپنے قبضہ میں رکھ سکے اور ازاں بعد گرجا کے احاطہ میں۔ یہ ایک نازک موقع تھا۔ ہمارے سپاہی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ بہت سے افسر ناکارہ ہو گئے تھے اور گھبراہٹ بہت زیادہ پھیل گئی تھی اور یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ریڈ کا دستہ کشن گنج پر قبضہ کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ توپیں لائی گئیں اور بڑے بڑے بازاروں کی جانب موڑ دی گئیں اور اس طرح پانڈے کا آخری موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا۔

افسوس ہے کہ جموں کی فوجیں جب سے اپنے پہاڑی مقامات سے نکلی ہیں، نہ صرف بالکل ناکام رہیں بلکہ کشن گنج میں پانڈیوں کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ سے ہم توپیں بھی جاتی رہیں۔ اور اس کی وجہ سے انہوں نے ریڈ کے بازوؤں کو خطرے میں ڈالدیا۔ اگرچہ خبر صحیح ہے تو دیوان صاحب ہی نے فرار ہونے میں سبقت کی تھی جیند کی پیدل فوج کی کارگزاری بہت اچھی رہی۔ آج ہماری پوزیشن (حالت) میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸) جو دوسرے دستہ سے متعلق تھے۔ سے لفٹنٹ کرنل ایڈورڈ گریٹ ہیڈ جو آٹھویں پلٹن اور دوسرے دستہ کے ایک حصہ کے کمانڈر تھے بعد میں وہ تعاقب کرنے والے دستہ کے کمانڈر مقرر ہوئے مترجم

بہت کچھ ترقی ہوئی ہے ۔میگزین پر قبضہ کر لیا گیا ہے ۔اور اب ہمارا تصرف کابلی دروازہ سے لیکر نہر کے برابر اس فوج کی چوکیوں تک وسیع ہو گیا ہے۔ جو میگزین پر قابض ہے شہر کے اس سارے حصہ کو باشندوں نے خالی کر دیا ہے اور اسلئے وہاں سے جو روپیہ پیسہ مل سکیگا اپنے قبضہ میں لے لیا جائیگا۔ باندیوں کی ایک معقول تعداد مقتول ہوئی اور میرا خیال ہے کہ بہت ہی کم لوگ بچنے پائے ہیں۔ لیکن کسی عورت کو دیدہ و دانستہ ایذا نہیں پہنچائی گئی۔

کیمپ کی حفاظت کشن گنج کی ناکامی سے ایک حد تک خطرہ میں پڑ گئی تھی اس پر حملہ کا اندیشہ تھا مگر ہوا نہیں۔ سلیم گڈھ اور شاہی محل پر گولے برسائے جا رہے ہیں میرا خیال ہے کہ کامل کامیابی یقینی ہے۔ ہماری فوج میں مقتول و مجروح دونوں کا شمار ۸۰۰ سے کم نہ ہوگا۔ نکلسن کی جان کا سخت اندیشہ ہے۔ انکے نقصان کی تلافی ناممکن ہے۔ کرنیل کیمبل (۵۲ ویں) بھی ناقابل ہو گئے ہیں۔ پورے کرنل جو رہ گئے ہیں ان کے یہ نام ہیں۔ لانگ فیلڈ (۸ ویں) جونز (۶۱ ویں) ڈینس (۵۲ ویں) جنرل ولسن کی بہت کچھ ہمت افزائی کی گئی ہے۔

مسٹر کالون ۹ دین کو انتقال کر گئے۔

مسٹر ریڈ نے سینئر سولین ہونے کی حیثیت سے اس امر کے متعلق ایک غیر معمولی سرکاری گزٹ شائع کیا ہے کہ انھوں نے شمال مغربی صوبجات کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ بر ترپا کے پاس اس کے علاقہ کی وسعت کے مساوی سلطنت موجود ہے۔

آپ کا - ایچ - ایچ - گریٹ ہیڈ

لے بریگیڈیر جنرل جان نکلسن ۲۳ ستمبر کو انتقال کر گئے ۱۲

لے شمال مغربی صوبجات کے صاحب لفٹنٹ گورنر کا نام ۱۲ - لے ہرنٹ گریٹ ہیڈ (باقی صفحہ آیندہ)

مراسلہ نمبر ۱۳

جسے سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے جارج کارنگ بارنس کے نام ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو ارسال کیا۔

لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء

مائی ڈیر بارنس۔

آپ نے جو پچاس روپے ڈاک بنگلہ میں اس غریب لڑکی کو دئے تھے میں انہیں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنی منزل مقصود تک بحفاظت تمام پہنچ گئی ہوگی۔ میں نے سانڈرس کو لکھ بھیجا ہے کہ (مولوی) رجب علی (صاحب) کو بھیجدیں جو غریب اپنی خدمات کے باوجود عجیب نرغہ میں پھنس گئے ہیں مجھ ملول کو پنجاب میں واپس بلا لینے سے خوشی ہوگی اور وہاں میں انکے فوائد کا خاص خیال رکھوں گا۔

طوفان ختم ہوگیا اور ہمیں سانس لینے کی فرصت ملی اور جب میں گزشتہ واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم لوگ کس طرح سے ابتک جوں کے توں زندہ موجود ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کے رحم کی وجہ سے ہم زندہ بچے ہیں۔ یقیناً یہ بات ہماری توقعات سے زیادہ نکلی کہ تمام پنجابی پلٹنیں وفادار رہیں۔ ہزارہ کے بارہ میں مجھے ابھی اطمینان نہیں ہوا۔ مری میں بھی اہم معاملہ رونما ہونے والا تھا اور جیسی کہ میں نے توقع کی تھی معاملات ابھی تک پورے طور پر طے نہیں ہوئے ہیں پنڈی میں ایک اور فوج بھیج رہا ہوں اور اس فوج کو ہٹا دینا چاہتا ہوں جو لدھیانہ میں ابھی بھرتی کی گئی ہے۔ گوگیرہ میں بد انتظامی پھیلی ہوئی ہے۔ اور جنگل بہت گھنا ہے اور باغیوں کو بڑی آسانی سے وہاں جائے پناہ مل سکتی ہے۔ جان ہیں جنہوں نے فوج کی کمان کی تھی سخت بزدل نکلے۔ اس لئے کہ جب بدمعاش ان کے قبضہ میں تھے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۰) (مصنف مراسلہ ہذا) ہیضہ میں مبتلا ہونیکے تین دن بعد ۱۹ ستمبر کو اسی مرض میں انتقال کر گئے

وہ ان کا کچھ بھی نہ کر سکے۔ اب انہیں بخار چڑھ آیا۔ لہذا انہیں بالضرور واپس آجانا چاہئے کہ پھر کہیں میں امید کر سکتا ہوں کہ سارے معاملات ٹھیک ٹھیک سطے ہو سکیں گے۔

سکھوں کی ان دو پلٹنوں کا کیا حشر ہوا جنہیں رکٹس[1] نے بھرتی کیا تھا؟ مجھے امید ہے کہ انہیں چھوڑ نہ دیا گیا ہوگا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں لوگوں کی ضرورت سے زیادہ تعریف کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اب مجھے اپنی غلطی معلوم ہوگئی ہے لیکن جو کچھ بھی میں کہتا ہوں اس سے میری مراد بھی وہی ہوا کرتی ہے اور میری رائے میں تو آپ نے بہت اچھا کیا کہ ڈویژن کو دائیں جانب رکھا اور فوج کو امداد دی۔ آپکی چوکی سخت خطرہ میں تھی۔

پٹیالہ، نابھہ اور جینیند[2] کے لئے جو انعامات ہمیں تجویز کرنے چاہئیں۔ ان پر ذرا اپنے ذہن میں غور و خوض کر لیجئے۔ انہیں بالضرور انعام و اکرام دینا چاہئے۔ اگر وہ وفاداری نہ کرتے تو ہم کہاں کے رہتے۔

آپ کا صادق

جان لارنس

---

[1] ۔جی۔ ایچ۔ ایم۔ رکٹس ڈپٹی کمشنر لدھیانہ۔

[2] ۔ نواب صاحب جھجر، اور رئیس دادری ر جنبیر پر بغاوت کرنے کا الزام تھا۔ ضبط شدہ جاگیریں ان تینوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔